مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

نقوش اسلام

Issue.No .4	جون ۲۰۰۷ء (June, 2007) جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ	VOL.No.2

☆ زیر ☆ سرپرستی

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی

☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ☆ مولانا محمد صالح جی

☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا

☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت ☆ مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

☆ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ☆ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

☆ مولانا محمد ارشد فیضی ☆ مولانا محمد نظام الدین ندوی

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۱۰/روپے
سالانہ ۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
EDITOR:MOHD. MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
ادبی شہ پارے		۶
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ......	مولانا سعید الرحمٰن اعظمی	
جائزہ		۱۳
عورت کا تصور غیر اسلامی قوانین......	مولانا محمد زکریا سنبھلی	
اسلامی تاریخ		۱۶
اسلامک سسلی کی ادبی تاریخ	محمد زکریا ورک (کینیڈا)	
مکتوبات اکابر		۲۱
مکتوبات حضرت مفتی مظفر حسین......	محمد مسعود عزیزی ندوی	
اقبالیات		۲۳
کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب	محمد بدیع الزماں	
تعلیم وتربیت		۲۴
اسلام میں اولاد کی تربیت کی اہمیت......	مولانا اسرار الحق قاسمی	
ایمان کی بادبہاری		۲۷
ایک متعصب پادری کی کہانی............	مولانا محمد نظام الدین ندوی	

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
تجزیہ		۲۹
عصر حاضر میں امت مسلمہ کا ارتقاء......	محمد عمران ندوۃ العلماء لکھنؤ	
اعجاز قرآنی		۳۲
قرآن کا عددی اعجاز قرآن کی...........	مولانا مشیر عالم قاسمی، جموں کشمیر	
سیرت وکردار		۳۵
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت	محمد ابوذر اسلمی دارالعلوم دیوبند	
دعوت فکر		۳۷
شرعی تقاضوں سے ہماری تساہلی کا نتیجہ	احسان احمد سیتامڑھی	
محاسن اسلام		۳۹
اسلام میں عورت کا مقام	مولانا محمد عمر مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات	(ادارہ)	۴۷
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰؍روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
¼ صفحہ //	....	۴۰۰

E.mail:masood_azizi@rediffmail.com --------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: حمید اللہ قاسمی رابطہ کے لیے 9719639955 ☆ عزیزی کمپیوٹر سنٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

اوارد

غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمام مسلمانوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ ارکان اسلام میں کلمہ شہادت کے بعد سب سے پہلے نماز کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے، جس کی پابندی ہر عاقل وبالغ، مرد وعورت پر ضروری قرار دی گئی ہے، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جو کلمات بیان فرمائے تھے، ان میں نماز کے بعد غلاموں کے ساتھ رعایت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت ومحبت کا معاملہ کرنے کی تلقین کی تھی، جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے "الصلاة الصلاة ، واتقوا اللّٰہ فیما ملکت ایمانکم". (ابوداؤد کتاب الادب، باب حق المملوك) یعنی اے لوگو! نماز کی پوری پابندی کرنا اور ان غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، جو تمہارے قبضے میں ہیں۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور آخری کلام ہے، جو آپؐ نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا، کہ نماز جو ایک اہم دینی فریضہ ہے اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے، اس کی پوری پوری پابندی اور مکمل اہتمام کرو، اس میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی نہ ہونے دو، اور غلاموں کے بارے میں خدا کے محاسبہ اور موخذہ سے ڈرتے رہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نماز کے بعد سب سے زیادہ اہمیت غلاموں کے ساتھ رعایت اور نرمی کا برتاؤ کرنا تھا، چنانچہ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی امت کو جو آخری وصیت فرمائی وہ نماز کے اہتمام اور غلاموں کے بارے میں تھی۔

غرضیکہ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ غلاموں کے ساتھ مساوات، رواداری، انسانی احترام اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے، ان کے انسانی مقام ومرتبہ اور عزت واحترام کو بحال کیا جائے، ان کے ساتھ محبت وشفقت اور اخلاق ومروت کا معاملہ کیا جائے، ان پر ان کی طاقت سے زیادہ محنت ومشقت کا بوجھ نہ ڈالا جائے اور ان کے طعام ولباس اور رہائش جیسی بنیادی ضرورتوں کا نہ صرف مناسب انتظام کیا جائے؛ بلکہ انھیں وہی کھلایا، پلایا اور پہنایا جائے، جو گھر میں کھایا، پیا اور پہنا جاتا ہو، ان کے ساتھ ایسے ہی احسان اور ہمدردی کی جائے جس طرح ماں، باپ، یتیموں، قرابت داروں، حاجت مندوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا جاتا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکموں اور مالکوں سے مخاطب کر کے فرمایا کہ ''یہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہاری ملکیت میں دیدیا ہے، اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو، جو خود کھاؤ وہی انہیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ، ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ان کے سر نہ ڈالو اور اگر کسی وجہ

کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو بھی، تو خود بھی اس کام میں شریک ہوجاؤ اوران کی حتی الامکان مدد کرو، جس سے ان کو کسی قسم کی تکلیف کا احساس نہ ہو''۔

لیکن آج پورے معاشرے میں اس حکم کو خواب غفلت کی طرح سمجھا جارہا ہے، غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ایسا ہوتا ہے گویا وہ ہمارے بیگاری غلام ہوں، برسرِ مجلس ان کے ساتھ تمسخر اور تذلیل کا معاملہ کیا جاتا ہے، جس سے دلوں میں کینہ اور بغض کی پرورش ہوتی ہے اور بدگمانیوں کا طوفان کھڑا ہوجاتا ہے، جو کبھی آتش جوالہ بن کر الفت ومحبت کے خرمن کو جھلسا دیتی ہے، کیونکہ ادنی سے ادنی آدمی بھی اپنی جگہ عزت رکھتا ہے اور لوگوں کے سامنے رسوائی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور بسا اوقات یہ رسوائی غیرت مند آدمی کے لیے مال ودولت اور ملازمت چھن جانے سے کہیں زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے، اس لیے شریعت نے غلاموں کی تذلیل سے بھی منع کیا ہے، غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اوران کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید اور خود آپ کے طرزِ عمل نے صحابہ کرام کے درمیان آقا وغلام کا فرق باقی نہ رہنے دیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (یہ آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں) جنھیں آپ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیدی، یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اسامہ سے بھی ایسی الفت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، جس کو دیکھ کر دوسرے صحابہ ان دونوں کو ''محبوب رسول'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر بھر کسی خادم یا غلام کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آپ کے خادم خاص تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر آپ نے ایک مرتبہ بھی مجھے اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ یا ایسا کیوں نہیں کیا، غرضیکہ ہمیشہ نرمی اور شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

چنانچہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کرتے تھے اور آخری وقت میں بھی آپ کی زبان مبارک پر یہی کلمات جاری تھے، جس کی بنا پر صحابہ کرام کے دلوں میں اس کی اہمیت بیٹھ گئی تھی، اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک، الفت ومحبت اور نرمی کا معاملہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے، حضرت زین العابدین کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، ان کی ضیافت کے لیے آپ نے غلام کو حکم دیا کہ گھر کے بالائی کمرے میں چولے پر جو گوشت بھن رہا ہے، وہ جلدی سے پیش کرو، غلام گیا اور بھنے ہوئے گرم گوشت کو ڈیگ سمیت لانے لگا، اتفاق سے جلد بازی میں وہ گوشت کا ڈیگ غلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کی منزل میں حضرت زین العابدین کے چھوٹے بچے کو جا کر لگی، جس کے زخم کی تاب نہ لا کر وہ بچہ اسی وقت واصل بحق ہوگیا، حضرت زین العابدین کو جب معلوم ہوا تو آپ نے غلام کو نہ ڈانٹا، نہ پھٹکارا؛ بلکہ مزید اس پر احسان فرماتے ہوئے کہا، کہ جاؤ تم آزاد ہو! تو نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، اس کے بعد بچے کی تجہیز وتکفین میں لگ گئے۔

اس کے برخلاف آج ہمارا رویہ اور برتاؤ اپنے خادموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے خود ہی غور کرلیں، ذرا سا نقصان اور

غلطی پر اسے طعنے سننے پڑتے ہیں، بات بات پر ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، دوسروں کے سامنے ان کی غلطی کو افشاء کرکے ذلیل کیا جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس نقصان پر خادم کو بے تکان صلواتیں سنائی جاتی ہیں، اگر وہ نقصان خود اپنے ہاتھوں ہو جاتا تو دل کو مطمئن کرنے کے لیے نہ جانے کتنی تاویلیں تراش لی جاتی ہیں اور اس پر کسی کا ٹوکنا بھی سخت ناگواری کا باعث ہوتا ہے، ذرا دو قدم اور آگے بڑھ کر سن لیجئے کہ اگر کسی خادم یا غلام سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہوگئی تو اسے ایسی سزا دی جاتی ہے کہ نا پوچھو۔

ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ میرے ایک قریبی دوست نے بتایا کہ میں فلاں آدمی کی خدمت کرتا تھا اور ہمیشہ ان کی فرمانبرداری میں لگا رہتا تھا، جب بھی خدمت کا کوئی موقع ملتا تو کبھی ہاتھ سے خالی نہ جانے دیتا، ایک دفعہ مجھ سے یہ کہا گیا کہ چائے کے یہ پیالے صاف کردو! خیر میں صاف کرنے کے لیے نل (ہینڈ پمپ) پر گیا، اتفاق سے میرے ہاتھ سے ایک کپ (Cup) چھوٹ کر نیچے گر گیا اور ٹوٹ گیا، جس کی وجہ سے میری اتنی پٹائی ہوئی کہ مجھے وہاں سے جانا ہی پڑا، یہ ہے ہمارا معاملہ ماتحتوں اور خادموں کے ساتھ۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اتنی سی غلطی پر ماتحتوں کو یہ سزا دی جاتی ہے، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلطی ہو جانے پر اف تک بھی نہ کہا کرتے تھے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اپنے ماتحتوں، خادموں اور غلاموں کے ساتھ وہی رویہ اختیار کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا، کہ اگر کسی غلام یا ماتحت سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے ملاطفت اور نرمی کے ساتھ تنہائی میں سمجھا دیا جائے۔

//////❁❁❁❁//////

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قوائد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۴- ریاض البیان فی التجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۵- رہنمائے طریقت (شریعت و طریقت، تصوف و سلوک اور اخلاق حمیدہ و رذیلہ) ٦- مراجع الفقہ الحنفی و میزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو نشہ آور چیزیں شریعت و طب کی روشنی میں، عربی) ۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۱۰- سیرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی و ناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر و اہم حالات) ۱۵- بخاری شریف کی آخری حدیث کے دو آب دار موتی ١٦- مقالات عزیزی۔ **ملنے کا پتہ**: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

ادبی شہ پارے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ان کے دعوتی خطبات کے چند نمونے

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک بلند قامت انسان کی زندگی، اس کی جامعیت اور اس کی ہشت پہل شخصیت کا جائزہ لینے کے لیے اس کے فکری رجحانات اس کی دعوتی مساعی اور علمی سرگرمیوں کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھنا ضروری ہوتا ہے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ محض توفیق الٰہی سے دین اسلام کو ایک زندہ و تابندہ حقیقت سمجھتے تھے اور ساری انسانیت کے لیے اس کو ایک زندۂ جاوید نعمت ہونے کا یقین رکھتے تھے اور عالم انسانیت کے لیے اس کو ہر زمان و مکان میں مبنی بر انصاف نظام ہونے کی شہادت دینا اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے، انہوں نے اپنی علمی، ادبی، فکری اور تاریخی معلومات کی روشنی میں تمام دعوتی سرگرمیوں کو مرتب کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ مولانا کی پوری زندگی میں ایک داعی کی فکر ارجمند اور اس کے اخلاص کا جوہر جلوہ فگن نظر آتا ہے، اسی کے ساتھ بین الاقوامی حالات و تغیرات پر ان کی گہری نظر سے ان کی علمی و تاریخی سوچ کا پتہ چلتا ہے، ان کی زندگی میں ایک بیدار مغز مومن، ایک داعی کا اخلاص، ایک عالم دین کی انکساری و تواضع، ایک متکلم کی حکمت اور اس کا جلال، ایک مصنف کی بصیرت و فراست، ایک ادیب کی فصاحت و بلاغت، ایک خطیب کی تاثیر و آہنگ اور بے ساختگی پوری طاقت کے ساتھ موجود تھی۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی میں روح علم اور سوز دروں کا حسین امتزاج موجود ہے، اس میں اس کے بے چین دل، ان کی فکر ایمانی، ان کے تعلق باللہ، ان کے اخلاص و بے لوثی کا صاف و شفاف آئینہ نظر آتا ہے اور اس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنانے کے طریقے اپنا سکتا ہے، مولاناؒ کی تحریر، اس کے ہر جملے، اس کے الفاظ کے تمام حروف موتیوں سے تولنے کے قابل ہیں، ان کی وسعت معلومات، گہرائی و گیرائی اور سوچنے کا صحیح انداز، ان کے دعوتی پہلو کا خاص امتیاز ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سچی اسلامی فکر انتہائی توازن اور اعتدال کے ساتھ پیش کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا، ان کی کوئی بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمۂ ہدایت سے ہٹ کر نہیں ہوتی تھی، انہیں اسلامی تاریخ کے ایسے مؤثر اور مستند واقعات جمع کرنے کی توفیق عطا ہوئی جو بہت سے مؤرخین و مصنفین کی نظروں سے اوجھل تھے، انہوں نے تاریخی واقعات سے عبرت و موعظت اور دعوت و حکمت کے وہ دریچے کھولے جو علماء حق اور داعیان اسلام کیلئے ایک مستند مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو ایمان و یقین، علم و عشق، دعوت و طلب، تبلیغ و ارشاد اور ایک مثالی اسلامی زندگی سے نوازا تھا، ان کی فکر پر ہمیشہ اس بات کا غلبہ رہا کہ وہ کس طرح اللہ کے بندوں کے دلوں میں عقیدۂ توحید اور ایمان و یقین کی روح اتار دیں اور کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور ان کی عرب اولاد کو ان کے احسانات روشناس کرائیں، تاکہ وہ اس پیغام کو سینہ سے لگا کر دنیا کی قیادت کی باگ ڈور دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے سکیں اور عالم کے اندر پھیلے ہوئے بگاڑ کو کس طرح اور انسانیت کو سر بازار رسوا کرنے والے افراد کو اپنے صحیح

مقام پر کس طرح واپس لائیں اور انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کا کام کس طرح اور کتنی تیزی کے ساتھ انجام دے سکیں۔

علم وعمل اور اخلاص وایمان کی جامعیت اور اس میں انتہائی توازن کی صفت حضرت مولانا کی زندگی میں پوری طرح جلوہ گر تھی، ان کا ہرلمحہ، ہرعمل، ہر بات، ہرسانس اللہ کی رضا اور ان کے دین کی سربلندی اورامت کی سرخروئی کے لیے وقف تھی، حالات خواہ جیسے بھی ہوں اظہارحق میں کبھی بھی پس وپیش نہیں کیا اور وہی بات کہتے رہے، جو اللہ اور اس کے رسول کے عین منشاء کے مطابق ہو۔

سب سے پہلے تقریر جو میں نے سنی:

شوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں حضرت مولانا نے تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر دارالعلوم کی مسجد میں تمام طلباء واساتذہ کے سامنے تقریر فرمائی تھی اور نئے سال کے موقع پر طلباء کو ضروری نصیحتوں سے نوازا تھا اور تعلیم کے چند بنیادی پہلوؤں کی طرف رہنمائی کی تھی، اس میں اخلاص واحتساب کی تشریح فرماتے ہوئے تاریخ کے صفحات سے بعض اہم شخصیتوں کا ذکر اور ان کے روشن کارناموں کو بیان کرنے کے بعد وقت کی قیمت کو پہچاننے اور اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی طرف بہت خصوصیت سے توجہ دلائی تھی، اس زمانہ میں دارالعلوم میں طلباء کی تعداد بہت کم تھی، اسی سال دو نئے طالب علم داخل ہوئے تھے، ان کا ذکر کرکے اظہار مسرت کیا تھا، ان میں ایک طالب علم خاکسار راقم الحروف تھا۔

حضرت مولانا اسی زمانے میں شرق اوسط کے ملکوں کا ایک طویل دعوتی سفر کرکے تشریف لائے تھے، مصر میں خصوصیت کے ساتھ طویل قیام کیا تھا اور وہاں کے علماء ودانشوروں سے ملاقات کا موقع ملا تھا، جب وہاں کے شیخ الازہر شیخ شلتوت سے ملاقات ہوئی اور دوران گفتگو ندوۃ العلماء کا تخیل ان کے سامنے پیش کیا اور اس کی تشریح کی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور برملا اعتراف کیا کہ ابھی تک ہم نے ایسے جامع اور متوازن تصور کے بارے میں غور نہیں کیا تھا، وہ حضرت مولانا سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مختلف اداروں اور جمعیات میں ان کے دعوتی اور تعلیمی پروگراموں کا انتظام کیا اور جب تک مولانا مصر میں قیام پذیر رہے ان سے ملاقات اور تبادلہ خیال کرتے رہے۔

یہی وجہ تھی کہ مصر کا زمانہ قیام دعوتی لحاظ سے بہت مفید اور بارآور رہا، وہاں کے سنجیدہ حلقوں سے ملاقات، گفتگو اور تقریر ومحاضرات کا سلسلہ عجیب وغریب والہانہ انداز سے جاری رہا، وہاں کی بعض تقریروں میں مولانا کا مؤثر انداز بیان اور انوکھا طرز تعبیر کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے۔

جماعت انصار السنۃ مصر میں تقریر:

ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے دعوت الی اللہ کی اہمیت، اس کی عظمت ونزاکت، اس کے مطالبات کی باریکیوں نیز اس کے شرائط وآداب پر روشنی ڈالی، میں نے کہا کہ بہت سے لوگ جو کوئی کام یا پیشہ اچھی طرح نہیں کرسکتے وہ دعوت الی اللہ کا کام اپنا لیتے ہیں، شاید وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں سب سے آسان کام یہی ہے، حالانکہ وہ بہت وسیع، نازک اور مہتم بالشان کام ہے، یہ کام سیاسی، اقتصادی، علمی اور فکری دعوتوں سے کہیں زیادہ اہم اور ذمہ دارانہ کام ہے، کوئی انقلاب اور کسی ڈھانچہ کی تبدیلی، یا کسی پرانے نظام کی جگہ نئے نظام کا قیام، اخلاق اور روح اور تقاضۂ انسانیت کے بغیر بھی ہوجاتا ہے، ان دعوتوں کے کارکن اپنی دعوت اور جدوجہد میں مخلص ہونے کے باوجود بعض اوقات اخلاق اور کیریکٹر کے لحاظ سے بہت گھٹیا اور گرے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اس کو دعوت کے منافی ومخالف نہیں سمجھا جاتا، مگر دعوت الی اللہ، حسن اخلاق اور تمام دینی اور انسانی تقاضوں کی طالب ہوتی ہے، وہ طاقتور ایمان، سچے یقین، نمایاں قربانی، کھلی ہوئی بہادری، صحیح عقل وشعور اور صحیح علم، ذاکر زبان، خدا کی طرف رجوع ہونے والے دل کی متقاضی ہوتی ہے، وہ عبادت میں خشوع، دعا میں ابتہال وتضرع اور خدائی چوکھٹ پر پڑ جانے کی متقاضی ہوتی ہے، یہ صرف تبلیغ وتعلیم ہی نہیں ہے بلکہ تبلیغ وتعلیم، تربیت وتزکیہ سب کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، یہ اس

نبی کی خلافت وجانشینی ہے جس کے اوصاف اور فرائض چہارگانہ، تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ بیان کئے گئے ہیں: ”هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْعَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ“ پھر میں نے عہد اسلامی کے دور اول کے داعیوں کی جاندار مثالیں پیش کیں اور ہندوستان کے بعض داعیوں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے واقعات بیان کئے، جیسے مولانا یحیٰ علی عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری ان کے علاوہ ان لوگوں کے قصے جو اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق تھے:” مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ، فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ، وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا“ .

اس کے بعد ہم نے اپنے ملک میں دعوت کے طریقۂ کار کی تفصیل بیان کی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ہفتہ وار اجتماع اور ہر طبقہ کے لوگوں کا اپنے خرچ پر شہروں، گاؤں اور قصبوں کی طرف نکلنے اور اس رضا کارانہ عمومی دعوت کے فوائد اور اچھے نتائج کا نقشہ کھینچا، پھر میں نے کہا کہ آج تمام اسلامی دعوتیں سرد پڑ چکیں ہیں، کمزور بے روح ہوگئی ہیں، بس ایک دعوت مادیت کا دور دورہ ہے، یہی دین اسلام کے لیے جدوجہد کرنے والے لشکر کا سب سے بڑا حریف ہے، اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنی طاقت کو مضبوط بنائیں اور اس سے برسرِ پیکار ہونے کی تیاریاں کریں، اس سے آنکھ ملانے بلکہ اس کی کلائی موڑنے کی علمی، فکری، اخلاقی وروحانی تیاریاں کریں، اس کے بغیر ہمارے لیے ممکن نہیں کہ کما حقہ ہم زمانہ پر اثر انداز ہوں اور مادیت کے ان دبیز پردوں کو چاک کریں، جو دل ونگاہ پر چھا چکے ہیں، ہم مؤثر دینی شخصیت اور مسحور ومسخر کرنے والی روحانی قوت ہی سے اس پر غالب آسکتے ہیں۔

سامعین کے چہروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ تقریر کا ان پر اثر ہوا، داد وتحسین کی آوازیں آئیں، یہ اثر شاید مخلص داعیوں اور مجاہدین کے ان اثر انگیز واقعات کی وجہ سے تھا جو میں نے بیان کئے، ان واقعات سے ایسا اثر ہوتا ہے کہ جو کسی اور چیز سے نہیں ہوتا“۔ (شرق اوسط کی ڈائری ۶۳-۶۴-۶۶)

مدرسہ کا کام:

حضرت مولاناؒ نے اپنے دعوتی اسفار میں مدارس اسلامیہ کے ایوانوں، مدرسہ کا مقصد اور اس کی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے طلبائے علوم اسلامیہ کی آنکھوں سے لامقصدیت کے دبیز پردے کو اٹھایا اور ان کو مادہ پرستی کے اس دور میں یاد دلایا ہے کہ وہ کیا ہیں اور کس طرح ان کو عالمی قیادت کے لیے تیار ہونا چاہئے، جے پور میں شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مجددیؒ نے ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۶ء کو اعلی پیمانے پر اور جامع شکل میں ایک مدرسہ جامعہ ہدایت کے نام سے قائم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے سنگ بنیاد رکھوایا، اس موقع پر مولانا نے ایک بہت بلیغ اور مفصل تقریر کی اور اخیر میں مدرسہ کا کام کیا ہے؟ کے زیر عنوان اپنی تقریر میں کہا:

”مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ اور ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا، اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے کہ قبلہ نما، کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتادے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملکوں میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہی عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما ہے۔

یہ جامعہ ہدایت جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان مقاصد عالیہ پر اس کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور حقیقت میں ہر دینی مدرسہ کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے، اور یہی اس کی اصل قدر وقیمت ہے، ان کو آپ ان کی عمارتوں سے نہ پہچانئے، آپ ان کے بوریوں اور وہاں کے فرنیچر کی کمی اور وہاں پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کی تہی دامنی اور ان کی بے بضاعتی سے ان کا درجہ قائم نہ کیجئے، جیسے کہ کہنے والوں نے کہا: گدائے شاہی میں اور دلق فقیری میں وہ شاہانہ مزاج رکھتے ہیں، ان

کامزاج شاہانہ ہے اوران کا لباس فقیرانہ ہے، یہ ہمارے علمائے سلف تھے اورآج انہی علمائے سلف کی اس وقت ضرورت ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ کب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے، لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا ہے'' ۔(خطبات مفکر اسلام جلد۴ صفحہ۱۲۶)

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں:

حضرت مولانا نے علماء اور تعلیم یافتہ لوگوں کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے ان پر یہ واضح فرمایا کہ دین کوئی موروثی اور روایتی حکایت نہیں ہے اور نہ صرف لفظ دین کو بار بار دہرانے سے دین پیدا ہوتا ہے، دین نام ہے ایک مکمل نظام حیات کا، یہ نظام عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے، اس کی تعلیمات زندگی کی تعمیر کرتی ہیں اور انسانی زندگی کو بروئے کار لانے اور اس کو ہر اعتبار سے ایک امتیازی شان عطا کرنے کے لیے خالق کائنات کی طرف سے نازل کی گئی ہیں، آج امت مسلمہ کے بہت سے افراد اور تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک بھی دین کا مطلب کچھ خاص اوقات میں عبادت کے نام سے کچھ کام کر لینے کا نام ہے، حالانکہ یہ دین اسلام کی فطرت کے عین مطابق ہے اور وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہوسکتا، ورنہ اس کی زندگی بے مقصد اور نامکمل ہو کر رہ جائے گی اور دین کا علم ہوتے ہوئے بھی دین کے فیض سے محروم رہ جائے گا، آج کے دور میں ہمارے علماء کے طبقہ میں بھی بڑی حد تک دین سے مایوسی کی فضا پیدا ہوگئی ہے اور وہ مادہ پرست قوموں کے خیال سے کچھ نہ کچھ متأثر ہو کر دین کا اہتمام، عبادت کا شوق اور اللہ تعالی سے تعلق مضبوط کرنے اور اطاعت ومحبت کے جذبے سے قلوب کو معمور کرنے کی توجہ سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ دین کا رقبہ بہت محدود ہے اور اس کا علم سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے، اصل چیز سائنس اورٹکنالوجی ہے، اس سے تمدن پیدا ہوتا ہے اور اسی کے فیض سے تہذیبیں وجود میں آتی ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب سے سائنس اور کائنات کے علم کا کوئی تعلق نہیں ہے، وہ کائنات کی نشانیوں کو سائنسدانوں کی دین سمجھتے ہیں اور ان کو مذہب سے الگ کوئی دوسری شئی تصور کرتے ہیں۔

فطرت انسان سے غیر ہم آہنگ اور درجہ یقین تک پہنچے ہوئے اس تصور کو جو ایمان وعقیدہ کے سراسر خلاف ہے اور عصر جدید میں رواج پذیر ہے، مولانا نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اپنے بلیغ دعوتی انداز میں فرمایا: ''عصر جدید میں عالم اسلام کے علماء، جامعات کے اساتذہ اور پروفیسر صاحبان اور ہمارے قانون داں اور ہمارے ادیب ودانشور طبقہ کی ایک ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ یہ دین جہالت کے بطن سے اور فوجی طاقت سے نہیں پیدا ہوا ہے؛ بلکہ معرفت سے پیدا ہوا ہے، اللہ کی رہنمائی سے پیدا ہوا ہے، وحی سے پیدا ہوا ہے، یہ زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، یہ تمدن کی رہنمائی کرسکتا ہے، اس کی نگرانی کرسکتا ہے، کہ یہ تمدن بے راہ نہ ہونے پائے، فاسد نہ ہونے پائے، تخریبی راستہ اختیار نہ کرنے پائے، یہ تاثیر علمائے دین اور اعلی تعلیم یافتہ طبقہ ہی دے سکتا ہے اور یہ بڑی ذمہ داری ہے، اگر کسی دنیا یا کسی قوم کے متعلق یہ خیال قائم ہوجائے کہ اس کا علم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، بلکہ علم سے اس کو نقصان پہنچتا ہے اور جہالت سے اس کو فائدہ، خواہ تھوڑے عرصے کے لیے، تو خواہ وہ اپنے زور شمشیر، اپنے بازو سے، اور وہ دعوت یا جماعت یا قوم دنیا کے کسی حصے پر قبضہ کرلے؛ لیکن دماغوں پر اس کا قبضہ نہیں ہوسکتا، سب یہی خیال کریں گے کہ اس کو زندہ رہنے کے لیے جہالت کی تاریکی چاہئے، جب تک وہ تاریکی رہے گی، وہ زندہ رہے گا اور جب علم آئے گا وہ غائب ہوجائے گا، اس کا پردہ چاک ہوجائے گا اور جس طرح بدلی آفتاب کی روشنی سے چھٹ جاتی ہے، اس طرح وہ چھٹ جائے گا، عیسائیت کا معاملہ یہی ہوا، عیسائیت نے علم کا ساتھ نہیں دیا، عیسائیت ایک خالص روحانی تحریک

اورایک معاشرتی انقلاب کے طور پر تو آئی، حضرت مسیح علیہ السلام کا جب تک زمانہ رہا، ان کی مقبولیت، ان کا تقدس، ان کی روحانی طاقت ہی رہنمائی کرتی رہی؛ لیکن اس کے بعد پھر اس کو ایک زمانہ تک ذہین اور صاحب نظر لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہوا، پھر جب مسیحیت یورپ پہنچی تو سمجھا گیا کہ یہ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لیے زندگی سے اس کو علیحدہ کر لینا چاہئے۔

یہ غلطی عالم اسلام میں الحمد للہ نہیں ہونے پائی، اس لیے کہ شروع سے اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ تھا، میں نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس کی پہلی وحی اقراء کے لفظ سے شروع ہوئی ہو اور جس کی پہلی وحی میں قلم کو فراموش نہیں کیا گیا، وہ علم اور قلم کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اسلام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دین وعلم میں کبھی بھی دوری ہوگی، اس لیے کہ اسلام اور علم کا شروع سے ساتھ رہا ہے، جب بدر کے قریشی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کئی ایسے تھے کہ وہ فدیہ ادا کر کے رہائی نہیں حاصل کر سکتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ہر شخص انصاریوں اور مہاجرین کے دس دس بچوں کو پڑھنا، لکھنا سکھا دے''۔ (خطبات مفکر اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۱۰-۲۱۴)

مصر میں مسلم طلبہ کے سامنے ایک تقریر:

۳؍مارچ ۱۹۵۱ء کی جامع ازہر کے طلبہ کے سامنے جو تقریر ہوئی، اس میں حضرت مولاناؒ نے ان کی اپنی دینی امانت کی حفاظت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا: ''ہماری تقریر اس پیغام و ذمہ داری سے متعلق تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی پہلی نسل نے چھوڑا تھا اور جس کی ذمہ داری ایک عالم دین پر عائد ہوتی ہے، یہ دینی امانت پہلے زمانہ کے اسلامی عقیدہ اور شریعت اسلامی کی حفاظت کی مستلزم ہے، ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کیا آج ہمارے نوجوان علماء اور فکر اسلامی کے حامل اہل قلم اور اصحاب فکر اس ورثہ کی پوری حفاظت اور نگہداشت کر رہے ہیں؟ کیا وہ دین میں غلو کرنے والوں، اہل باطل کی فتنہ پردازیوں، جاہلوں کی بے معنی تاویلات کی نقاب کشائی کر رہے ہیں؟۔

انہیں ذمہ داریوں میں دینی ارکان وفرائض اور واجبات کی حفاظت بھی شامل ہے، ایک سچا عالم دین اس کی صورت وحقیقت، نظم وضبط دونوں ہی کا محافظ ہوتا ہے، اس میں وہ کسی آن ادنی تغافل اور لاپرواہی سے کام نہیں لیتا ہے، عالم جس قدر خود ان ارکان کی پابندی کرے گا، ظاہر وباطن پر نظر رکھے گا، عوام بھی اسی قدر اس کا اہتمام کریں گے، اور اگر وہ خود اس میں غفلت وتساہلی کرے گا تو عوام سے اس کے اہتمام کی کوئی توقع نہیں۔

ساتھ ہی دینی روح اور قلبی کیفیات مثلاً اخلاص، خدا کی ذات پر اعتماد وبھروسہ، دعا میں اس کے سامنے رونا گڑگڑانا، نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیات یہ بھی اس دین اور وراثت نبوی کے اہم اجزاء میں سے ہیں، جس میں مسلمانوں کی پہلی نسل اور صحابہ کرام ممتاز تھے، دشمنوں پر ان کے کامیاب وفتح یاب ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے، ہرقل نے ایک شخص سے جو مسلمانوں کے ساتھ قید ہوا تھا، کہا کہ مجھے ان لوگوں کے حالات بتاؤ؟ تو قیدی نے کہا میں آپ کے سامنے ان کا ایسا نقشہ کھینچوں گا کہ جیسے آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، وہ دن میں شہسوار اور رات میں عبادت گزار ہوتے ہیں، ذمیوں کے مال کو بے قیمت نہیں لیتے، کسی کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو سلام پہلے کرتے ہیں، اپنے حریف سے اس طرح جم کر لڑتے ہیں کہ بالادستی حاصل کر کے ہی دم لیتے ہیں، یہ باتیں سن کر ہرقل نے کہا کہ یہ حالات جو تم نے بیان کئے ہیں اگر یہ حقیقت ہیں تو ایک نہ ایک دن وہ ہمارے تخت وتاج پر قبضہ کر لیں گے، ایک دوسرے قیدی نے ان کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں'' وہ رات کو عبادت گزار اور دن میں شہسوار ہوتے ہیں، اگر تم اپنے قریب بیٹھنے والوں میں باتیں کرو، تو ان کے ذکر وتلاوت کی بلند ہونے والی آواز کی وجہ سے وہ تمہاری بات کو نہ سمجھ سکیں گے''۔

علماء اور دین کے کارکنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنت پر عمل کریں، مردہ سنتوں کو پھر سے زندہ کریں، ان کا رواج ڈالیں،

اورحدیث شریف سے رہنمائی حاصل کریں،ان کی جدوجہد،کدوکاوش، اس تحریک ودعوت کا مقصد اولین فرائض کا قیام، دین اور اسلام کے ارکان کی شیرازہ بندی ہونی چاہئے،اللہ تعالی نے اسی کوان کے اخلاص وقبولیت کا پیمانہ(بیرومیٹر)قراردیاہے،وہ فرماتا ہے:" الـذيـن إن مكـنـاهـم فـي الأرض أقـامـوا الـصـلاة وآتوا الزكاة وأمروا بـالـمـعـروف ونـهـوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور" وہ لوگ کہ اگرہم ان کوزمین وآسمان میں اقتدار دیدیں تو نماز قائم کریں گے،زکوۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے اور معاملات کا انجام تو خدا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔(شرق اوسط کی ڈائری صفحہ ۱۹۱-۱۹۳)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ہر طبقہ کے لوگوں اور دیگر اقوام کو بھی دعوت کی زبان واسلوب میں مخاطب کیا، وہیں سب سے زیادہ عرب قوم کو اپنے خطاب، اپنی گفتگو، اپنی تقریروں اور ملاقاتوں سے اور اپنی جملہ زبان وبیان اور قلم وقرطاس کی طاقت سے ان کو جھنجھوڑا اور ان کو اپنے عہد رفتہ،اسلام کی صداقت وعظمت اور اس کی قیادت کی طرف لوٹنے کی تلقین کی اور امت عربیہ کو اپنے اصل اور منفرد کردار کی طرف واپس آنے کی دعوت دی اور انہیں کو اپنے منفرد قائدانہ مقام کیطرف لوٹنے کی طرف متوجہ کیا، تاکہ سارا عالم رشد وہدایت، ایمان وعقیدہ کی روشنی سے بقعۂ نور بن جائے اور مادی تمدن کی وجہ سے جو ناہمواریاں اور عالم انسانیت کو جن پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑرہا ہے، ان کا حل خودبخود نظروں کے سامنے آجائے، انہوں نے اس صاحب دعوت قوم کو مختلف اوقات میں متعدد طریقوں سے مخاطب کیا،عربی زبان میں مہارت تامہ پیدا کرنے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ عربوں کو نئے سرے سے اسلام کی طرف واپس ہونے کی دعوت دے سکیں اور دوبارہ جاہلیت کی طرف ان کے قدم نہ اٹھنے پائیں۔

سرزمین عرب کو اللہ تعالی نے معدنی دولت نہایت فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہے،اس لیے اس کو مثبت اور تعمیری کاموں میں صرف کرنے ہی میں دراصل اللہ تعالی کا حق شکر کسی حدتک ادا ہوسکتا ہے،ایسا نہ ہو کہ دولت کا نشہ انحراف وضلالت کے دروازے کھول دے اور یہ امت اپنے پیغام کو بھلا بیٹھے اور نت نئے تہذیبی اور مادی فلسفوں کی بھول بھلیوں میں گم ہوجائے۔

اسی عظیم مقصد کے ماتحت حضرت مولاناؒ نے عالم اسلام کے عرب ممالک کا سفر کیا،انہوں نے سعودی عرب،مصر،سوڈان،شام وفلسطین، خلیج کی ریاستوں اورکویت،قطر،بحرین،مغرب اقصی (مراکش) وغیرہ ممالک کا دعوتی مقصد سے سفر کیا اور وہاں کے نوجوانوں علماء ودعاۃ، اہل فکر کے سامنے نہایت کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اسلام سے ان کی غفلت اور نادانستہ طور پر مغربی تہذیب سے مماثلت اور اس پر فریفتگی کو اپنی گفتگو کا محور بنایا اور ایک داعی اور مرد مؤمن کی جرأت کے ساتھ نہایت صراحت سے ان کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی اور اسلامی غیرت وحمیت کو از سرِ نو زندہ کرنے کی طرف متوجہ کیا، خاص طور عرب قومیت اور عرب نسل پرستی کو اسلام کے خلاف ایک بغاوت سے تعبیر کیا اور اس کے علمبرداروں کو اپنی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کی حقیقت اور ان کے چھپے ہوئے راز کو واشگاف کر کے ان کو غیرت دلائی اور اسلامی تہذیب کو اختیار کرنے اور اس کے روشن ماضی کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔

مسئلہ فلسطین کا تجزیہ کرکے اس کے حل کے بارے میں سوچنے اور اس کو بروئے کار لانے کا مطالبہ کیا اور اس مسئلہ میں کہاں اور کس طرح غلطی ہورہی ہے، اس کو تلاش کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی اور عربوں کی کمزوریوں ، ان کی کوتاہیوں اور ان کے بے باکانہ تصرفات کو، ان کی فکری بے بضاعتی اور ذہنی دیوالیہ پن کا نتیجہ قرار دیا اور ایک رسالہ خاص طور سے انہیں کے لیے "إلـى الـراية المحمدية أيهـا الـعـرب " کے نام سے شائع کیا، اکثر عرب ممالک کے دورے کے موقع پر وہاں کے لوگوں کو ایک دعوتی پیغام " إسـمـعـيـات " کے عنوان سے پیش کرنے کا اہتمام کیا "اسـمـعـي يـامـصـر، اسمعي يـازهـرة الصحراء ، اسمعي يا ايران " اور بلاد حرمین کو "من العالم

إلى جزيرة العرب" اور"من جزيرة العرب إلى العالم" کےعنوان سے اسلام کے دامن کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے کا درس دیا، اسی ضمن میں حضرت مولانا نے سربراہان مملکت کوبھی آگاہ کیا اور ایک سے زیادہ باران سے نہ صرف یہ کہ ملاقاتیں کیں بلکہ ان کے نام ذاتی طور پر خطوط بھی تحریر فرمائے، خصوصیت کے ساتھ سعودی عرب کے فرمارواؤں کو جو خطوط لکھے ان کا مجموعہ "كيف ينظر المسلمون إلى الحجاز" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مولانا کی ایک تقریر کے چند اقتباسات نقل کر کے عربوں کے بارے میں ان کی رائے پیش کریں اور ان کی صاف گوئی اور تلخ نوائی کو درس عبرت بنائیں۔

اسلام سے بغاوت :

''آج ہماری ذلت ونکبت کا کیا حال ہے اور ہم دنیا کی نگاہوں سے کتنے گر گئے ہیں، ہم اس وقت صحیح احساس کر رہے ہیں کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں، تمام راستے تاریک اور مسدود ہیں، اس لیے ہمیں حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ہم نے اسلام سے بغاوت کر کے کچھ نہ پایا، ہمیں اب کہنا چاہئے کہ ہم اسلام کے دائرے میں آتے ہیں اور اس کی طاقت آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

صاف گوئی اور تلخ نوائی :

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ان عرب بھائیوں پر سخت تنقید کی ہے، جن سے مجھے محبت وعقیدت ہے اور جن کی میں عزت کرتا ہوں اور اللہ نے جن کے مستقبل سے میرا مستقبل اور جن کی عزت وذلت سے میری عزت وذلت وابستہ کر رکھی ہے میں نے یہ بات ہندوستان میں بار بار کہی ہے کہ عالم اسلام کا مستقبل عربوں کے مستقبل سے وابستہ ہے، عربوں کی ذلت وعزت اسلام کی ذلت وعزت ہے، یہ وہ قوم ہے جسے چھوڑ کر میں کسی قوم کو اپنا نہیں سکتا اور جس کی کتاب اور جس کی زبان، جس کی تہذیب سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوسکتا، اسی پر میں جیتا رہا ہوں اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں، یہ صراحت اور تلخی میں نے اس لیے اختیار کی ہے کہ میں بھی انجام میں شریک ہوں اور جن حالات کے آپ شکار ہیں، میں بھی انہی میں اپنے کو مبتلا پاتا ہوں، لہٰذا پھر کہتا ہوں کہ محمدی جھنڈے تلے جمع ہو جایئے، قومی وطنی یا اور کسی جھنڈے کے نیچے نہیں۔

اللہ نے آپ کے ذریعہ ان لعنتوں سے نجات دی تھی، جاہلیت میں ہر قوم کے پاس تہذیب ومذہب تھا، اور ان کے آداب ورسوم بھی تھے، لیکن جب اسلام کا پیغام لے کر گئے تو آپ نے انہیں بچایا، پھر خود آپ ادھر کیوں جا رہے ہیں؟

روشنی کی کرن :

اے اہل عرب، اے اہل مکہ اور اے خادمان حرم! آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہو جائے اور ہر صنم وہیکل سے بلند دکھائی دے، آپ کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ پھر ان ناقابل ذکر بتوں کا سہارا لیں، یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی، جس نے امتیازات کے بتوں کو توڑ کر اور نسلی، وطنی، غلامی کے طوق وسلاسل کو کاٹ کر رکھ دیا، جس نے تاریخ کا رخ پھیر دیا، جس نے حوادث کا منھ موڑ دیا، یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی جو دنیا میں پھیل گئی اور جس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑا دی۔

جاھلیت کا رجحان :

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کیسے اس جاہلیت کی طرف جا رہے ہیں، جسے ہر ہوشیار قوم نے چھوڑ دیا ہے اور آج یورپ بھی قومیت کی تباہ کاریوں کے بعد اس سے تائب ہوگیا ہے، یورپ کا اگلا ہوا لقمہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا، آپ وہی قوم ہیں جس نے دنیا کو اپنے خوان کرم صلائے عام دیا تھا اور قومیں آپ کے دستر خوان پر مہمان ہوتی تھیں، جس کے لیے کہا گیا ہے کہ

ادیم زمین سفرۂ عام اوست ☆ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

''آپ کے لیے کیسے زیبا ہوسکتا ہے۔ ﴿بقیہ……صفحہ ۲۶ پر﴾

جائزہ

پہلی قسط

عورت کا تصور
غیر اسلامی قوانین کی نظر میں

مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

قوانین اسلام میں عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہو سکے گا، جب اسلام کے علاوہ دیگر مذہبی، ملکی، قومی، قوانین سے آ گہی اور دونوں کے درمیان موازنہ کیا جائے، جیسا کہ روشنی کی صحیح قدر اسے ہو سکتی ہے جسے تاریکی سے واسطہ پڑا ہو، یا غذا کی افادیت کا اندازہ حقیقتاً وہی صحیح لگا سکتا ہے جو بھوک اور فاقہ کا شکار رہا ہو، اس لیے پہلے ہلکی سی جھلک غیر اسلامی نظام وقوانین کی دکھانا، نیز جاہلیت کے ان طریقوں کا ذکر کرنا مناسب لگتا ہے جو عورتوں کے بارے میں دنیا بھر میں رائج تھے۔

رومن قانون :

ہم یہاں سب سے پہلے رومن قانون کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جسے عام طور پر قوانین کا جنم داتا اور انسانیت کا رکھوالا اور انصاف کا نمائندہ باور کیا اور کرایا جاتا ہے، اور جو عرصۂ دراز تک سارے مغرب میں اور خاص طور پر یورپ میں دستوری حکمرانی کرتا رہا ہے، اس قانون میں کنبہ کے سربراہ کو کنبہ کے بقیہ افراد پر خواہ وہ بیوی ہو، یا بہو، بیٹے بیٹی ہوں، یا پوتے پوتی، خرید و فروخت کرنے، ہر طرح کی ایذائیں دینے، حتی کہ قتل کرنے کا بھی اختیار تھا، نیز بیوی کو ترکہ سے محروم رکھنے کا بھی اسے حق حاصل تھا، لڑکیاں حق ملکیت نہیں رکھتی تھیں اور اپنے باپ کے ترکہ سے بھی محروم رکھی جاتی تھیں۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون صفحہ ۱۶/۱۵)

یونانی قانون :

یونانی قانون میں عورت کی حیثیت معمولی سامان کی سی تھی، جس کی بازار میں آزادانہ خرید و فروخت ہوتی، اسے نہ شہری حقوق حاصل تھے نہ آزادی، میراث بھی نہیں دی جاتی تھی، اسے ناپاک سمجھا جاتا تھا، پوری زندگی وہ کسی نہ کسی مرد کے شکنجے میں گرفتارِ بلا رہتی، شادی سے قبل سرپرست کے اور شادی کے بعد شوہر کے پنجۂ استبداد میں رہتی، نہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی تھی، نہ جان میں، باپ اپنی بیٹی کو فروخت کرتا تھا اور ہونے والا شوہر اسے خریدتا تھا، اس کے بعد شوہر کو پورا اختیار ہوتا تھا کہ اسے چاہے اپنی زوجیت میں رکھے یا کسی اور کو سونپ دے۔ (مدی حریۃ الزوجین صفحہ ۲۷)

مسیحی مذہب :

جسے دنیا کے مہذب ترین کہلانے والے ملکوں میں سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے، اس کا حال اور اس کا ریکارڈ تو عورت کے بارے میں سب سے گیا گزرا ہے، اس بارے میں غیر عیسائیوں نے نہیں بلکہ خود عیسائیوں نے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ عبرت کے لیے کافی ہیں، مثلاً ایک مشہور عیسائی فلسفی ہربرٹ سپنسر کہتا ہے ''گیارہویں اور پندرہویں صدی (بعث محمدیؐ کے کوئی آٹھ سو سال بعد تک) انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں، عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے کو جتنی مدت کے لیے چاہے عاریۃً بھی دے سکتا ہے، ان میں سب سے زیادہ شرمناک یہ رواج تھا (جسے ایک طرح سے قانون کا سا درجہ حاصل تھا) کسی کسان کی نئی نویلی دلہن کو مذہبی پیشوا یا حاکم کو

چوبیس گھنٹے تک اپنے تصرف میں رکھنے اور اس کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل تھا۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون صفحہ ۲۱۱)

اور تو اور بلکہ سولہویں صدی ۱۵۶۷ء میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک ہزار سال بعد اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورت کو کسی بھی چیز کی ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوگا اور ان سب سے زیادہ تعجب خیز قانون انگلستان کی پارلیمنٹ نے منظور کیا جس میں عورت کے لیے انجیل پڑھنا حرام قرار دیا۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون صفحہ ۲۱۱)

اس کا تذکرہ کرنے کے بعد ڈاکٹر سباعی صاحب نے بجا طور پر تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن کو یکجا کر کے ایک مصحف تیار کیا تو وہ حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ کیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خاتون تھیں، سب سے بڑھ کر عجیب تر یہ انکشاف ہے کہ ۱۸۰۵ء تک انگلستانی قانون کی رو سے شوہر بیوی کو فروخت کرنے کا پورا اختیار رکھتا اور اس کی قیمت بھی قانوناً مقرر کی گئی تھی وہ اتنی حقیر تھی کہ اس کا ذکر باعث شرم ہے، یعنی صرف چھ پنس (تقریباً آج کے دو روپیہ ہندوستانی)۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون صفحہ ۲۱)

اس کے ساتھ ایک اور مسیحی یورپی ملک فرانس میں ایک کانفرنس کا حال روئداد دل پر پتھر رکھ کر سن لیجئے جس میں اس بات پر بحث ومباحثہ ہوا کہ عورت انسان ہے یا جانور کی کوئی قسم؟ اگر چہ آخر میں طے یہ پایا کہ وہ انسان ہی ہے۔ (معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۴۹)

علاوہ ازیں مسیحی مذہبی قانون کی رو سے عورت ترکہ سے بہر صورت محروم رہتی تھی، بلکہ اکثر اولاد بھی، صرف بڑا لڑکا ہی استحقاق (ترکہ پانے کا) رکھتا تھا۔

یہودی مذہب:

موجودہ یہودی مذہب (جو ظاہر ہے کہ محرف شکل میں ہے) میں عورتیں ترکہ کا استحقاق قطعاً نہیں رکھتی تھیں، چاہئے بیوی ہو، بیٹی ہو، یا ماں بہن، البتہ بڑا لڑکا چھوٹے کے مقابلہ میں دوہرا حصہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے پاتا ہے۔ (الترکۃ والمیراث ص ۴۱/۴۲)

ہندودھرم:

ہم سب سے پہلے "Encyclopidia of Religion and Ethics" کے حوالہ سے ہندومت میں عورت کے حقوق وغیرہ کے بارے میں جو ملتا ہے اس کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں، بعد ازاں خود ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے اس موضوع پر تفصیلات پیش کریں گے، یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مذکورہ کتاب (اخلاق ومذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) دنیا بھر میں معتبر تسلیم کی جاتی ہے اس کا مقالہ نگار لکھتا ہے: سمرتی (ہندومذہب کی معتبر کتاب) میں آٹھ قسم کی شادیوں کو تسلیم کیا گیا ہے، ان میں ایک قسم کا نام ''اسورا'' (Asura) ہے، یہ طریقہ جنگجو اور پچھلی ذات کے لوگوں میں رائج تھا، جس میں عورت کو خریدا جاتا تھا، اسی طرح (نکاح کی) ایک قسم کا نام ''راکشش'' (Raksasa) ہے، جس میں عورت پر زبردستی قبضہ کرلیا جاتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا جلد ۸/۴۵۱-۴۵۲)

اب ہندومذہب کی مشہور کتاب ''منوسمرتی'' (اردو ترجمہ شائع کردہ بھائی تاراچند چھبرا ایک سیلر لاہوری گیٹ، لاہور) سے براہ راست کچھ دفعات نقل کرتے ہیں، جس سے ہندومذہب میں رشتۂ ازدواج اور عورت کی حیثیت سے متعلق بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۹/سلسلہ ۲- ''رات، دن عورت کو پتی کے ذریعہ بے اختیار رکھنا چاہئے'' منوسمرتی ادھیائے ۹/سلسلہ ۵۸- ''اگر اولاد نہ ہو تو اپنے خاندان سے اجازت لے کر مالک کے (عام طور پر شوہر کے لیے لفظ مالک کا استعمال ہوتا تھا، اس سے بھی عورت اور شوہر کی صحیح حیثیت کا پتہ لگانا آسان ہوجاتا ہے کہ ہندوؤں میں کیا تھی؟) خاندان کے رشتہ دار یا دیور سے اولاد پیدا کر''۔

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۱۱۹- چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی زوجہ میں بیٹا پیدا کرے تو اس بیٹے کے ساتھ چاچا لوگ برابر تقسیم حصہ کریں۔ (منوسمرتی صفحہ ۱۸۲/اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور)

ہندو مذہب میں شادی (وِوَاہ) کے علاوہ بھی ایک اور عقد جائز تسلیم کیا گیا جسے ''نیوگ'' کہتے ہیں، اس میں شادی شدہ عورت سے بھی دوسرا شخص کچھ مدت کے لیے نکاح کرسکتا ہے، اس طریقہ سے پیدا ہونے والی اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے اور یہ دوسرے قسم کا نکاح (نیوگ) دس مردوں سے بھی ہوسکتا ہے۔

واضح رہے کہ ایک مشہور یورپین مصنف جان ڈی مین نے ''قانون رواج ہنود'' نامی کتاب میں (نیوگ) کی یہ تعریف کی ہے، ''دوسرے کی زوجہ سے بچہ جنانے کا عام رواج ''نیوگ'' کے نام سے موسوم تھا''۔ (قانون رواج ہنود جلد ۱۰/صفحہ ۱۰۶)

علاوہ ازیں ابھی چند سال پہلے ۱۹۹۶ء میں ایک رپورٹ ملک کے مشہور اخبارات میں شائع ہوئی جس میں بتایا گیا ہے ''ہندوستان سمیت کئی ملکوں میں ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہونے کی رسم آج بھی موجود ہے'' آگے چل کر کہا گیا ہے: ''ہندوستان میں لداخ، ہماچل کے سرمور ضلع میں اونچی ذات والوں میں اور اتر پردیش کے دہرہ دون ضلع میں یہ رسم موجود ہے، لداخ کے کچھ فرقوں میں یہ رسم اس طرح موجود ہے کہ خاندان کے سبھی مردوں کی ایک ہی بیوی ہوتی ہے، خاندان کا بڑا بھائی کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور بعد میں سبھی بھائی اس عورت کے ساتھ بیوی کے تعلقات قائم کرتے ہیں، یہ انکشافات مشہور ماہر سماجیات پروفیسر منیش کمار رامانے ایک سروے کرنے کے بعد کئے ہیں، جو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماچل پردیش کے ضلع گزٹ کے مطابق یہ رسم خاص طور پر برہمنوں اور راجپوتوں میں اور کچھ نچلی ذاتوں میں پائی جاتی ہے، حال کے ایک سروے سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۸/شادیوں میں سے ۴%۲۰ فیصد کثیر شوہری تھیں۔ (قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۱۱/جنوری ۱۹۹۶ء)

ہندو مذہب کے قانون وراثت میں عورتیں ترکہ میں حقدار نہیں ہوتیں اور بڑے بیٹے کے علاوہ بقیہ لڑکے بھی باپ کے ترکہ سے محروم رہتے ہیں، جیسا کہ منوسمرتی میں ہے ''ماں اور باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا ہی لیوے''۔ (منوسمرتی اردو ترجمہ صفحہ ۱۸۱)

عرب کا زمانہ جاهلیت:

قبل از اسلام عربوں میں عورت کی جو حالت زار تھی اس سے تو کم و بیش اکثر اہل علم واقف ہی ہیں کہ لڑکی کی پیدائش ہی سخت عار کی بات سمجھی جاتی اور اس داغ کو مٹانے کے لیے اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا، جس کا قرآن مجید میں بھی بڑے بلیغ انداز میں تذکرہ ہے ''وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا مَايَحْكُمُوْنَ'' (سورة النحل آیت ۵۸)

اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن ان کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے، اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

عورت کو (چاہے وہ بالغ ہو) اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار نہیں تھا؛ بلکہ اس کا ولی جس سے چاہے اس کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کر سکتا تھا، پھر بیوی کی حیثیت بالکل باندی کی سی تھی، جو صرف شوہر کی جنسی خواہش بلکہ ہوس کا شکار بننے کے سوا اور کوئی حق نہیں رکھتی تھی، بیوہ ہوجاتی تو اس کے شوہر کے ورثہ اس کے ساتھ مرنے والے کے ترکہ کا سا معاملہ کرتے، یعنی چاہے اپنے پاس رکھتے یا دوسرے سے نکاح کردیتے، اسے شوہر کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہ دیتے کیونکہ ترکہ کا استحقاق رجولیت (مرد ہونے) اور قوت پر تھا، اس بنا پر کم عمر کے لڑکے بھی ترکہ سے محروم رکھے جاتے اور لڑکیاں تو سب ہی محروم رہتیں، ان باتوں کی تفصیل بکثرت کتب حدیث وتفسیر وفقہ میں ملتی ہے۔

//////☆☆☆☆☆/////

اسلامی تاریخ

دوسری اور آخری قسط

اسلامک سسلی کی ادبی تاریخ

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

اسلامی کلچر کا اثر:

سسلی پر مسلمانوں کا قبضہ تقریباً تین سو سال تک رہا، اس طویل عرصہ میں سسلی عرب، یورپین اور لاطینی کلچرز کا میٹنگ پوائنٹ رہا، جب نارمن یہاں قابض ہوئے تو بہت ساری مساجد اور اسلامی عمارتوں کو خانہ جنگی کے دوران منہدم کر دیا گیا، اسلامی قوانین کا دور دورہ یہاں زیادہ دیر تک نہ رہا؛ کیونکہ تمام شہریوں کو اپنے اپنے مذہبی قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت تھی، بارہویں صدی میں جب نارمن حکومت کر رہے تھے تو بھی سرکاری زبان عربی ہی رہی، کپاس کی کاشت بہت کم ہوگئی؛ کیونکہ بہت سارے مسلمان کاشت کار سسلی سے دوسرے ممالک میں چلے گئے، ریشم کی انڈسٹری ترقی کرتی رہی، وی آنا کے میوزیم میں ایک ریشم کا چوغہ موجود ہے، جس کے اوپر عربی میں لکھا ہے کہ یہ 1133ء میں پالیرمو کی رائیل فیکٹری میں بنایا گیا تھا، اینگلو نارمن رائیل فیملی کے افراد جو لباس پہنتے تھے ان پر عربی میں الفاظ اور نقش ونگار مسلمان ورکرز کرتے تھے۔

سسلی اور اٹلی کے بہت سارے شہروں کے نام عربی سے ہیں جیسے پالیرمو (بال آرم)، مرسالہ (مارہ علی)، کالصہ (الخالصہ)، باکیجی (القریب) دیتانو (وادی الطین)، سسلی میں 1000ء میں اٹھارہ بڑے شہر اور نو سو گاؤں تھے، پالیرمو کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی، عمارتوں پر ابھی بھی عربی میں لکھے ہوئے الفاظ نظر آتے ہیں، جزیرہ پر پانچ سو کے قریب مساجد تھیں، سب سے بڑی مسجد میں سات ہزار آدمی نماز ادا کر سکتے تھے، امراء کے محلوں میں ان کی اپنی مساجد ہوتی تھیں۔

نارمن سسلی پر اسلامی اثر

جیسا کہ ذکر کیا گیا بارہویں صدی میں نارمن یہاں حکومت کرنے لگے، بادشاہ راجر اول نے پالیرمو کے شہر کو 1072ء میں فتح کیا تھا مگر وہ جزیرہ کا مطلق العنان حکمراں 1091ء میں بنا، اس کا دور حکومت رواداری کا تھا، اس کی وفات 1101ء میں ہوئی، بادشاہ راجر دوم نے اگلے 53 سال (1101-1153ء) تک حکومت کی، اس کے بعد ولیم اول بارہ سال (1154-1166ء) حکمراں رہا، ولیم دوم تیرہ سال (1166-89ء) حکمراں رہا، اس کے بعد فریڈرک دوم 54 سال (1194-1250ء) تک بادشاہ رہا۔

راجر اول کا شاہی دربار گویا سائنس کا مرکز تھا کیونکہ اسے اسٹرانومی اور اسٹرالوجی میں بہت دلچسپی تھی، ایک عرب انجینئر نے اسے ایک ٹائم پیس (Clepsydra) بنا کر دی، جس میں ایک گھنٹہ مکمل ہونے پر گیند ایک پیتل کے برتن میں خود بخود گرتے تھے، اس نے میڈیسن کی تعلیم باضابطہ طور پر شروع کی اور ہر فزیشن کے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ ایک رائیل آفیشل کی موجودگی میں اس فیلڈ کے ایکسپرٹ کے سامنے امتحان دے، یاد رہے کہ پالیرمو کے شہر میں 1160ء میں سب سے پہلی بار بطلیموس کی فلکیات پر شہرہ آفاق کتاب مجسطی کا ترجمہ لاطینی میں امیر یوجین (Amir Eugene) نے کیا تھا۔

مشہور جغرافیہ داں ابوعبداللہ الادریسی (1100-1166ء) جب اپنے رشتہ داروں سے ملنے سسلی آیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے سائنٹیفک اسٹاف کا رکن بنا لیا، اس نے دنیا کا گول نقشہ قرص کی صورت میں

بادشاہ کی خواہش پر تیار کیا جس میں یورپ، ایشیا، افریقہ اور بحیرہ روم صاف نظر آتے ہیں، اس نقشہ کی وضاحت کے طور پر اس نے جغرافیہ میں اپنی شاہکار کتاب رجار (Roger) پندرہ سال میں لکھی، اس کتاب کا دوسرا نام ''نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق'' ہے، یورپ میں یہ 1592ء میں منظر عام پر آئی تھی اور پہلا لاطینی ترجمہ 1619ء میں روم سے شائع ہوا تھا، کچھ سال قبل اس کا نیا ایڈیشن اٹلی سے سات جلدوں میں شائع ہوا تھا، اس نے چاندی ایک گلوب (وزن 400 کیلوگرام) پر سات بر اعظموں، جھیلوں، دریاؤں، بڑے بڑے شہروں، تجارت کے راستوں اور پہاڑوں کی نشاندہی کی، الادریسی نے ایک اٹلس بھی تیار کی جس میں 73 نقشے دئے گئے تھے، اس کی دوسری قابل قدر تصنیف کا نام روضہ الناس ونزہت النفس ہے، درحقیقت یہ دونوں کتابیں سسلی میں عربی زبان میں تخلیق ہونے والے لٹریچر کی اعلیٰ مثال تھیں، طب میں اس نے جڑی بوٹیوں پر کتاب الجمیع لصفات اشتات النباتات لکھی، جس میں ادویاء کے نام بر بر، شامی، فارسی، ہندی، یونانی اور لاطینی میں دئے گئے تھے، یورپ میں وہ کسی اور مسلمان جیوگرافر سے زیادہ مشہور جیوگرافر تھا۔

راجر اول مسلمان عالموں اور فقہاء سے علمی گفتگو کرنا پسند کرتا تھا بجائے عیسائی راہبوں سے وہ خود ایک مسلمہ جیوگرافر تھا، اس کے محل میں مسلمان ماہرین فلکیات، اطباء اور فلاسفرز کا جھمگٹا لگا رہتا تھا، اس کی ایڈمنسٹریشن میں اعلیٰ سرکاری عہدے مسلمانوں کے پاس تھے، عیسائی خواتین پردہ کیا کرتی تھیں اور ریشم کے سفید رنگ کے لمبے جلباب زیب تن کیا کرتی تھیں، وہ اپنے مسلمان ہمسایوں سے عطر مانگ کر استعمال کرتی تھیں، گرجا گھروں کی دیواروں پر نقش نگار کے لئے قرآن پاک کی آیات لکھ دی جاتی تھیں، تمام سکوں پر اسلامی کلینڈر (ہجری قمری) کے مطابق تاریخیں ہوتی تھیں اور ان پر اللہ لکھا ہوتا تھا، یورپ کے کسی میوزیم میں 1109ء میں جاری کردہ ایک سرکاری حکم نامہ عربی اور یونانی میں محفوظ ہے جو راجر اول کی بیگم نے جاری کیا تھا، اس نے ایک گرجا گھر تعمیر کروایا جس میں پانچ گنبد تھے اور باہر سے وہ مسجد لگتا تھا، اس نے اپنے محل میں ایک رومن کیتھولک گرجا گھر بنوایا جس میں عرب ڈیزائن کے محراب تھے، اندلس کا مشہور سیاح ابن جبیر (مصنف رحلہ) جب یہاں آیا تو عورتوں کو اسلامی لباس میں دیکھا تھا۔

راجر اول کی فوج میں مسلمان سپاہی ہوتے تھے، پاپائے روم کی ناراضگی مول لیتے ہوئے اس نے صلیبی جنگوں میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا، جو مقامی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ان کے اسلامی نام کچھ یوں ہوتے تھے، احمد روما، عبدالرحمٰن بن فرانکو۔

احمد حسن غرناطی قیروان (تیونس) میں پیدا ہوا، اٹلی میں سفر کے دوران اسے غلام بنا لیا گیا تو اس کا نام کانسٹن ٹین دی افریقن (Constanstine the African) رکھ دیا گیا، اس نے سسلی میں بیس سال (1065-85) گزارے، اس کا نام اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ جملہ افراد میں سے پہلا عالم اور سائنس داں تھا جس کے ذریعہ اسلامی سائنس یورپ پہنچی، وہ کارتھیج (Carthage) کے شہر سے اپنے ساتھ سالیرنو (اٹلی) عربی کی طب پر کتابیں لے کر آیا، مانٹی کاسینو (Monte Casino) کے راہب خانے میں اس نے ان کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا جس میں ابن الجزار کی کتاب بھی شامل تھی، اس نے علی ابن عباس کی کتاب الکامل الصنعۃ الطبیہ کا ترجمہ کیا جو Pantegni کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس نے افریقہ پر ایک غضب کی کتاب لکھی جس میں افریقہ کے شہروں کے درمیان فاصلے میلوں میں دئے گئے تھے، افریقہ کے نقشے بنانے والے نقشہ ساز اس کتاب سے بہت فیض یاب ہوئے۔

راجر دوم کا دور:

بادشاہ راجر دوم (1101-1154ء) کا دور حکومت مکمل مذہبی آزادی کا دور تھا، اس کو اسلامی اخلاق اور اسلامی لباس بہت پسند تھا، اس کے شاہی فرمان تین زبانوں یونانی، لاطینی اور عربی میں جاری ہوتے تھے، اس کا لقب الملک المعظم القدیس تھا، اس کے سکوں پر اعداد عربی میں ہوتے اور ان پر الناصر النصریہ لکھا ہوتا تھا، اس کی بحری افواج کے

کمانڈر مسلمان ہوتے تھے، اس کے چوغے کے اوپر کوفی رسم الخط میں عربی لکھی ہوتی تھی، یہ چوغہ وی آنا کے میوزیم میں موجود ہے، اس کے محل وسیع وعریض، ان کے اندر عرب شاعر، حرم اور مخنث ہوتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ گویا یہ کسی عرب سلطان کا محل ہو، اس کے دربار کے افسران میں حاجب، صلاحی اور جمعدار ہوتے تھے، چیف منسٹر کا لقب امیر الامراء ہوتا تھا محل میں فتیان (وردی پوش مددگار) ہوتے تھے جو بادشاہ تک رسائی رکھتے تھے، جیسے بغداد کے محلوں میں ہوتا تھا، اس کے شاہی طبیب مسلمان تھے، وہ اپنے آپ کو المعتز باللہ (Exalted by the grace of Allah) کہتا تھا۔

ولیم اول اور ولیم دوم :

ولیم اول (66-1154) بھی اسلام علوم وفنون کی سرپرستی کرتا تھا، وہ عربی زبان بڑی روانی سے بولتا تھا، اس کا لقب ہادی بامراللہ تھا جو سکوں پر لکھا ہوتا تھا، ولیم دوم (89-1166ء) کا رہن سہن کسی عرب سلطان کی طرح تھا، وہ عربی بول اور لکھ سکتا تھا، اگرچہ اس نے صلیبی جنگ میں حصہ لیا تھا مگر اس کے باوجود اس کے دربار میں عرب شاعر، نیگرو باڈی گارڈ اور عرب داشتہ عورتیں ہوتی تھیں، خزانہ کے محکمہ کے تمام افسران اور کارکن مسلمان تھے، پالیرمو میں مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوتی تھیں، مسلمانوں کے لئے قاضی اور اسکولوں میں مسلمان معلم ہوتے تھے، عیسائی عورتیں اسلامی لباس زیب تن کرتیں، عطر لگاتیں، مہندی لگاتیں اور مشرقی زیورات پہنتی تھیں، بادشاہ خود وہی شاہی لباس پہنتا جو بغداد اور اندلس کے خلفاء پہنا کرتے تھے، عربی زبان وہ روانی سے بولتا تھا، اس کی فوج میں مسلمان سپاہی شوخ رنگ کا لباس پہنتے تھے، جب دربار کے مخنث اس کے محل میں نماز ادا کرتے تو وہ ان پر نظر جمائے رکھتا تھا، اس کا فنانس ڈی پارٹمنٹ (دیوان تحقیق) مصر کے فاطمی خلفاء کے ماڈل پر تھا، بادشاہ راجر دوم نے مسلمان مہندسین سے محاصرے کیلئے منار اور منجنیق بنوائے تھے۔

ملٹری ڈسٹرکٹ کو اقلیم کہتے تھے، اس کے چیف منسٹر کا لقب امیر الامراء تھا، حکومت کے دوسرے افسران کے نام یہ تھے: صاحب (سیکرٹری)، کاتب، عامل (کنٹرولر)، کاشت اور غیر کاشت والی زمینوں کے ریکارڈ کے محکمہ کا نام دفاتری تھا، نماز جمعہ کے اجتماع کی اگرچہ اجازت نہ تھی مگر دو عیدوں پر اجتماع کی اجازت تھی، پالیرمو میں مسلمانوں کے محلّہ میں تجارت پوری گہما گہمی سے ہوتی تھی، عدالتوں میں فیصلوں کے لئے مسلمانوں کے لئے قاضی ہوتے تھے، وہاں کے مسلمان اپنی بیٹیاں اسلامی ممالک سے آئے زائرین کو دینا پسند کرتے تھے، ولیم دوم کا ماٹو الحمدللہ حق حمدہ تھا، جب کہ اس کا لقب المستعیز باللہ تھا، جو سکوں پر لکھا ہوتا تھا۔

بادشاہ فریڈرک دوم :

قیصر فریڈرک دوم (1250-1194ء) سسلی اور جرمنی کا بادشاہ تھا، اس کے دربار میں مشرقی رقاص شاہی مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے تھے، جب وہ فلسطین گیا تو اس کے قافلے میں مسلمان بھی تھے، اس کی فوج کا اعلیٰ ترین دستہ لوسیرا (Lucera) کے گیرے زن میں تھا جہاں مؤذن کے پانچ وقت اذان دینے کی صدا سنائی دیتی تھی، جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے کفن پر کوفی رسم الخط میں عربی الفاظ کا نقش ونگار تھا، روم کا پاپائے اعظم اسے بپتسمہ شدہ سلطان (baptized sultan) کہا کرتا تھا، اس میں مذہبی تعصب نام کا بھی نہ تھا۔

خدا نے بادشاہ فریڈرک دوم کو تجسس والا دماغ عطا کیا تھا، اس نے موسیٰ ابن میمون کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، مصر کا سلطان الکامل جو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھتیجا تھا وہ بادشاہ کے علمی رتبہ کے پیش نظر اپنے دربار میں سے شاعروں اور سائنسدانوں میں سے کسی ایک کو سسلی اپنا سفیر بنا کر بھیجا کرتا تھا، ایک جرمن مؤرخ نے اس کے بارہ میں کہا ہے: "Frederick had an unstinted administration for the Arab mind, for he lived in an age when the East was the source of all European knowledge and science" (E. Kontorowicz ,Frederick the second, page 186, 1931)

فریڈرک دوم مسلمان عالموں کے ساتھ علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا، ایک دفعہ اس نے روح اورابدیت پر عیسائی نقطہ نظر جاننے کے لئے سوالات تیار کئے، وہ مسلمانوں کی طرح غسل باقاعدگی سے کیا کرتا تھا جو عیسائیوں کے لئے اچنبھے کی بات تھی، وہ عالموں کی سرپرستی کرنے میں فخرمحسوس کرتا تھا، چنانچہ 1224ء میں اس نے نیپلز (Naples) میں ایک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا، وہ دنیا بھر کے عالموں کو اپنے دربار میں بلاکر ان کو علمی کام سونپتا تھا، جو عالم اس کے دربار میں آئے ان میں سے چندیہ ہیں: مائیکل اسکاٹ(Michael Scott)، ماسٹر تھیوڈور(Master Theodore)، لینارڈوفبیو ناچی (Leonardo Fibonacci)، فبیو ناچی نے اسلامی اسپین میں تعلیم حاصل کی تھی اور اٹلی کا ممتاز ریاضی دان تھا، تاریخ میں اس کا نام اس لئے اہم ہے کہ اس نے عربی اعداد کو یورپ میں متعارف کیا تھا، فبیو ناچی نے علم ریاضی پر جوشہرہ آفاق کتاب لکھی وہ فریڈرک دوم کے نام سے معروف تھی، بادشاہ فریڈرک دوم کی دلچسپی سائنس اور مذہب میں درج ذیل سوالات سے ہوتی ہے جو اس نے مائیکل اسکاٹ سے پوچھے تھے: (۱) جنت، جہنم اور برزخ ایک دوسرے سے اور زمین کی گہرائی کے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک کس جگہ پر ہیں؟ (2) زمین پر نمکین اور میٹھا پانی دونوں کیوں ہیں اور وہ کہاں سے نمودار ہوتے ہیں؟ (3) پانی میں جب اشیاء ڈبوئی جاتی ہیں وہ ٹیڑھی کیوں نظر آتی ہیں؟۔

بچپن میں ہی اس نے عربی زبان سیکھ لی اور اسلامی رسم ورواج سے آشنا ہوگیا تھا، وہ ۹رزبانیں بول سکتا تھا اور سات میں بڑی آسانی سے لکھ لیتا تھا، جو مترجمین اس کے لئے کتابیں ترجمہ کرتے وہ ان کی غلطیوں کی نشاندہی کیا کرتا تھا، اس کی شاہی لائبریری میں عربی زبان میں کتابیں کثیر تعداد میں تھیں، اس نے متعدد موضوعات پر رسالے قلم بند کئے، جیسے اس نے ''شاہین پروری'' پر ایک رسالہ لکھا، اس نے گدھوں پر تجربات کرنے کے بعد کہا کہ کرگس اپنی غذا قوت شامہ سے نہیں بلکہ قوت بصارت سے تلاش کرتے ہیں، ایک دفعہ اس نے پلیٹ میں شتر مرغ کے انڈے رکھ کر سورج کی حرارت سے بچے پیدا کرنے کا تجربہ کیا، (ڈکشنری آف سائنٹفک بیوگرافی، جلد5، 1972ء صفحہ 146) منطق کی تعلیم اس نے عرب اساتذہ سے حاصل کی تھی، شاہین پروری اس نے ایک عرب مومن سے سیکھی تھی، جس نے اس موضوع پر کتاب بھی لکھی تھی۔

اس نے اندلس کے ممتاز علماء اور مشرق وسطیٰ کے علماء اور سائنس دانوں سے خط وکتابت کئی سال کی اور بعض ریاضی، فزکس، فلاسفی کے مسائل کے جوابات ان سے طلب کئے، مصر کے سلطان الکامل (1218-38) نے اس کے دربار میں مشہور ریاضی داں غلام الدین الحنفی کو اس کے دربار میں بھیجا تھا، سلطان کو اس نے سات سوالات بھیجے تھے جن میں سے تین علم المناظر پر تھے، یہی سوالات اس نے اندلس کے ابن سبعین کو بھی بھیجے تھے، مثلاً ایک سوال یہ تھا کہ اس حدیث قدسی کی تشریح کریں کہ مومن کا دل خدا کی دوانگلیوں کے درمیان ہوتا ہے؟ ابن سبعین نے ان سوالوں کے جوابات ''الاجوبۃ الاسلیۃ الصقلیہ'' کے عنوان سے لکھے، اس رسالہ کا راقم الحروف نے جولائی 1999ء میں بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) میں سرسری طور پر مطالعہ کیا تھا، فخرالدین شیخ جو ایک ممتاز ماہر فلکیات تھا وہ اس کے دربار میں آیا۔

جب بادشاہ فریڈرک اٹلی اور جرمنی کے سفر پر جاتا تو اس کے قافلہ میں جانور بھی بڑے اہتمام سے شامل کئے جاتے تھے، ایک بار وہ اٹلی کے شہر راوینا (Ravenna) 1231ء میں گیا، تو اس کے ہمراہ ہاتھی، چیتے، اونٹ، شاہین، ریچھ، شیر، الو، ہندی طوطے اور مور بھی تھے، جن کی رکھوالی اس کے غلام کررہے تھے، جب وہ جرمنی 1245ء میں گیا تو جرمنی کے عوام نے زندگی میں پہلی بار اونٹ، بندر اور چیتے دیکھے، سلطان الکامل نے اسے ایک زرافہ جو تحفہ کے طور پر بھیجا تھا وہ یورپ کے لوگوں نے پہلی بار دیکھا، وہ عربوں کی طرح تحفے لیتا اور دیا کرتا تھا، ایک بار سلطان الکامل نے اسے ہاتھی کا تحفہ بھیجا تو اس نے جواباً سفید ریچھ تحفہ میں بھیجا، جو مصریوں کے لئے نئی چیز تھی؛ کیونکہ وہ صرف مچھلیاں نوش کرتا تھا، شام کے سلطان الاشرف نے 1232ء میں اسے ایک خیمہ نما پلینی

ٹیریم بھیجا جس میں آسانی کرے اپنے مدار پر خفیہ میکے نزم کے ذریعہ گھومتے تھے، فریڈرک نے اسے جواب ایک سفید ریچھ اور مور بھیجا۔

ایک دفعہ وہ یروشلم گیا تو وہاں اس نے بیت المقدس کی بھی زیارت کی، خاص طور پر وہ اس کے سبز وسنہری رنگ کے گنبد اور منبر سے بہت متاثر ہوا، جس پر وہ کچھ دیر بیٹھا رہا، سسلی میں جب اس نے محل تعمیر کر وایا تو بیت المقدس کی عمارت اس کا ماڈل تھی، مائیکل اسکاٹ نے اس کی وفات پر لکھا: ''اے خوش قسمت شہنشاہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر اس دنیا میں کوئی شخص موت سے اپنے علم کی بناء پر مفر حاصل کر سکتا تو یقیناً وہ تو ہی ہوتا''۔

اسلامی علوم کی یورپ کو ترسیل:

جب آٹھویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی تک مسلمانوں کی تہذیب عروج پر تھی تو اس وقت یورپ اپنے تاریک دور (Dark ages) میں تھا۔

اسلامی اسپین اور سسلی اس وقت اپنے عروج پر تھے اور اندلس کی ضیاء پاشیوں سے یورپ سے جہالت کے تاریک بادل رفتہ رفتہ اٹھنا شروع ہوئے تھے، قرطبہ اس وقت دنیا کا سب سے ترقی یافتہ شہر تھا، شہر کی سڑکوں پر روشنیاں، پانی کے نکاس کا انتظام، شہر میں لائبریریاں، اقتصادی خوشحالی ہر طرف باغات، پھول بوٹے، کشادہ مکان اور کھانے پینے کی بہتات تھی، اس وقت لندن کی سڑکیں کچی، پیرس کی مکان بوسیدہ اور پورے یورپ میں ایک لائبریری تھی جس میں لگ بھگ پانچ سو کتابیں تھیں، لندن، پیرس سے طالب علم یہاں تحصیل علم کے لئے آیا کرتے تھے، یورپ کے شاہی خاندانوں کے افراد یہاں علاج کے لئے آتے تھے، ایک مغربی اسکالر کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

The Size and opulence of 10th century Cordoba far outsripped any city in the Latin West, and the contrast beteween the scientific cultures of al-Andalus and Europe ws just an extreme" (Charles Burnett, Introduction of Arabic learning into Europe, 1997,page 3)

بارہویں صدی میں یورپ میں جو نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع ہوئی اس میں اندلس کا رول بہت اہم اور بنیادی تھا، سائنس اور فلسفہ پر عربی کی تمام کتابوں کے تراجم اندلس کے شہر ٹولیڈو میں کئے گئے اور یہاں سے یہ یورپ پہنچے، جب لندن، پیرس، پیڈوا، وینس، مانٹ پیلیئر کے شہروں میں یونیورسٹیاں شروع ہوئیں تو ان کے نصاب تمام کے تمام ان عربی کتابوں کے تراجم تھے، سسلی میں عرب، یونانی اور لاطینی کلچرز کے ملاپ سے جس نئی تہذیب نے جنم لیا وہ فقید المثال تھی، پالیرمو شہر کے لوگ تین زبانیں بولتے تھے، سسلی میں نارمن بادشاہت اور اٹلی میں نشاۃ ثانیہ ایک ہی عہد میں شروع ہوئے، اٹلی میں نشاۃ ثانیہ کے برپا ہونے کی وجہ اندلس اور سسلی کے کلچرز اور علمی تہذیب کا یہاں زبردست اثر تھا، اسلامی تہذیب کی ترسیل یورپ کو عربی اور اسلامی کتابوں کے تراجم اور نئے نئے سائنسی آئیڈیاز کے ذریعہ ہوئی تھی، اسلامی تہذیب سسلی سے اٹلی اور وہاں سے جرمنی اور فرانس پہنچی، اٹلی کے یونیورسٹی آف بولونیا (Bolonia) میں بادشاہ کے حکم پر منطق اور فزکس میں عربی کتابوں کے تراجم پورے زوروشور سے کئے گئے، فریڈرک دوم نے جب یونیورسٹی آف نیپلز کی بنیاد رکھی تو اس نے اپنی تمام عربی کی کتابیں یہاں تحفہ کے طور پر دے دی تھیں، فریڈرک نے ہی سالیرنو (Salerno) کے اسکول آف میڈیسن میں اناٹومی کے شعبہ کو شروع کیا تھا، غرضیکہ سسلی نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں جو کردار ادا کیا وہ مسلمہ ہے۔

/////☆☆☆☆☆//////

میری زندگی یہی ہے کہ ہر اک کو فیض پہنچے
میں چراغ رہ گزر ہوں مجھے شوق سے جلاؤ

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہریؒ وحضرت مولانا عتیق احمد پنجابی دہلویؒ- ایک نیازمند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

(۱) حضرت مفتی مظفر حسین صاحب مدرسہ مظاہر علوم وقف کے ناظم اعلیٰ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم کے خلفاء میں سے تھے، ۲۹/ اگست ۱۹۲۹ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، حضرت مفتی صاحب ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب اجراڑوی زبردست متبحر عالم دین تھے، خود حضرت مفتی صاحب کی شخصیت علمی اعتبار سے بڑی بھاری بھرکم تھی، اہل علم حضرات ان کے علم و عمل کے معترف وقائل تھے، احقر کو حضرت مفتی صاحب سے کئی مرتبہ ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے، خط وکتابت کی کم ہی نوبت آئی، جب اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کے حالات جمع کررہا تھا تو معاصرین کے باب کے لیے حضرت مفتی صاحب کے حالات کی ضرورت تھی، اس غرض سے رمضان ۱۴۱۵ھ میں حضرت مفتی کو ایک خط تحریر کیا تھا، جس کا جواب حضرت کے ایک معتمد مولانا انعام الرحمٰن صاحب نے یہ تحریر کیا۔

۱- ۷۸۶

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ گرامی نے مشرف فرمایا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت اقدس ناظم صاحب کو گذشتہ ایام میں سر کی ایسی تکلیف ہوگئی تھی کہ حالت نازک سے نازک تر ہوگئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحت کی شکل نمودار ہوئی، مگر کمزوری کی کیفیت ابھی تک باقی ہے، جس کی وجہ سے ابھی اس درجہ میں نہیں کہ وہ کوئی تحریر مرتب فرماسکیں، اسی عذر قوی کے لیے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

باقی یہ بات حضرت کے سامنے بھی ہے کہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کا حضرت مولانا (شاہ عبدالقادر صاحب) رائے پوری کا خلیفہ ہونا ہی خود ان کے لیے مستغنی عن التعارف والتأثر ہے۔

انعام الرحمٰن غفرلہ

۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ　　　　ازشعبہ نشر واشاعت

مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب سے کوئی خط وکتابت نہ ہوسکی، البتہ کبھی کبھی ملاقات اور دعاؤں کی درخواست کا موقع ملتا رہا، حضرت مفتی صاحب بہت ہی متواضع، سنجیدہ، منکسر المزاج، اچھی طبیعت کے انسان اور نہایت ہی کم گو تھے، ۲۸/ رمضان ۱۴۲۴ھ میں حضرت مفتی صاحب اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) حضرت مولانا عتیق احمد صاحب دہلی کے رہنے والے تھے، وہ ۲۰/ نومبر ۱۹۳۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے، ان سے رائے پور کی خانقاہ میں ملاقات ہوتی تھی، چونکہ وہ عام طور سے ہر رمضان رائے پور کی خانقاہ میں گزارتے تھے، وہ دن بھر قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے تھے، وہ شاید روزانہ ایک قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، بس

ہر وقت تلاوت ہی میں منہمک رہتے تھے، وہ حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری (جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری) کے خلیفہ تھے، بڑے خاموش مزاج اور نیک طبیعت کے انسان تھے، ان سے رمضان میں خانقاہ میں ملاقات ہوتی تھی، وہ کسی سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے تھے، بس اپنے معمولات اور کثرت تلاوت میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، میرا تعارف وملاقات بھی غالباً حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کے پوتے ڈاکٹر شفیق احمد (علیگ) ومنشی عتیق احمد صاحب کے ساتھ ہوئی اور جب راقم کی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' چھپ کر آئی، تو اس وقت مولانا عتیق احمد صاحب نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب جو ''محمد'' کے نام سے پاکستان سے چھپی ہوئی ہے، جس کا اسلوب ناولانہ ہے، اس کی اہمیت انہوں نے میرے سامنے بیان کی اور یہ ترغیب دی کہ اس کے انداز پر آپ صحابہ کے حالات لکھئے اور چھپوانے کی ذمہ داری میری ہے، اس لیے مجھے اس کتاب کے مطالعہ کا شوق ہوا، چنانچہ اس سلسلہ میں احقر نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حضرت مولانا کو کئی خطوط بھی لکھے اور ان کے بھی جوابات آئے، میرے پاس اس وقت صرف ایک ہی خط کا جواب محفوظ ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

۷۸۶

۲۹ محرم بروز جمعرات

از احقر عتیق

محترم المقام زید مجدکم

وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ طالب خیر بخیر ہے، امید ہے جناب بھی مع الخیر ہوں گے، کرم نامہ ۲۳ محرم کا کل شرف صدور ہوکر موجب کرم ہوا۔

قبل بھی دستی کرم نامہ ملا تھا، اسی وقت ہی صاحب کتاب سے رجوع کیا تھا، وہ فی الوقت معذرت فرما رہے تھے کہ تلاش کرونگا، کافی دنوں سے مل نہیں رہی، وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی یاددہانی پر انشاءاللہ پھر ان کو یاددہانی کراؤنگا، ادھر تو احقر کوشش کرے گا، آپ براہ راست لاہور شاہ عالم مارکیٹ میں کتب فروش ہیں ان سے کسی آنیوالے سے منگالیں تو بہتر ہوگا، اپنی چیز اپنی ہی ہوتی ہے، کتاب واقعی بہت عمدہ ہے، احقر بھی حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ انشاءاللہ

باقی حالات لائق شکر ہیں۔ دعاؤں کا بہت ہی محتاج ہوں۔

والسلام مع الکرام

اس کے بعد دہلی کے ایک ساتھی کے ذریعہ سے مولانا کو یاددہانی کرائی، چنانچہ مولانا نے وہ کتاب بھیجی، اس کے مطالعہ سے نامہ سیاہ بہت متأثر ہوا، ویسے تو سیرت کی کوئی بھی کتاب پڑھی جائے تو اس سے الگ ہی روشنی، نور، ایقان وایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اس کتاب کا انداز غالباً مولانا ماہر القادری کی ''دریتیم'' کا سا ہے، کتاب پڑھ کر مولانا کو واپس کردی، مگر غالباً وہ پہلی جلد تھی، دوسری جلد میسر نہ ہوسکی تھی، اس کے بعد دہلی میں بھی پنجابی پھاٹک میں مولانا کے مکان پر حاضری ہوئی، جب اس نامہ سیاہ نے مرکز احیاء الفکر الاسلامی قائم کیا، تو ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوری کے ساتھ دہلی جانا ہوا، اور مولانا کے مہمان بننے کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے بعد غالباً ان کی وفات سے چند روز قبل ایک مرتبہ پھر اپنے ایک رفیق کے ساتھ دوپہر کے کھانے میں مولانا کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا، حضرت مولانا بہت ہی متواضع، منکسر المزاج، ذاکر وشاغل، آدمی تھے، یکم جولائی ۲۰۰۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا اور وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اللہ تعالی ان کو اپنے اعلی علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضامندی نصیب فرمائے۔

//////☆☆☆//////

اقبالیات

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب

محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف، پٹنہ

اس مضمون کا عنوان اقبال کے مجموعۂ کلام ''بانگ درا'' کی نظم ''شکوہ'' کے سترہویں بند کے درج ذیل شعر کا ایک مصرعہ جو شعر کہ قرآن کی روشنی میں موضوعِ گفتگو ہے۔

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

اس شعر کے پہلے مصرعہ پر اقبال نے درج ذیل آیات کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے، فرمایا گیا ہے ''جو شخص محض ثواب دنیا کا طالب ہو، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی اور ثواب آخرت بھی اور اللہ سمیع وبصیر ہے''۔(النساء ۱۳۴)

''کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں (کافروں کو) مال ودولت سے مدد دیئے جارہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے، حقیقت میں جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، وہی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے اور سبقت کرکے انہیں پالینے والے ہیں''۔(المومن ۵۵/۶۱)

تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے، کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو، کبھی اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جسے ہم نے صرف حیاتِ دنیا کا سروسامان دے دیا ہو اور وہ پھر قیامت کے روز سزا کے لیے پیش کیا جانے والا ہو؟۔(القصص ۶۰-۶۱)

''اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جسے وہ کچھ چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے، جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دیتے ہیں، مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔ (الشوری ۱۹-۲۰)

''یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے، اگر تم ایمان رکھو اور تقوی کی روش پر چلتے رہو، تو اللہ کہتا ہے اجر تم کو دے گا اور تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا'' (محمد ۳۶)

اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل کرنے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو'' (القیمۃ ۲۰-۲۱)

''آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے''۔(الشوریٰ ۱۲)

زیر تجزیہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے خدائے تعالی کی قدرت کاملہ پر درج ذیل آیات ذہن نشیں کرائی ہے، فرمایا گیا ہے۔

''اے نبی کہو! اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہوجائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں؛ بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے''۔(الکہف ۱۰۹)

''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جیسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوگی، بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے''۔(لقمٰن ۲۷)

/////☆☆☆/////

تعلیم وتربیت

اسلام میں اولاد کی تربیت کی اہمیت وافادیت

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، دہلی

وقت کے ساتھ ماحول میں تیزی کے ساتھ تبدیلی رونما ہورہی ہے لیکن یہ تبدیلی تمام انسانوں ،خصوصاً ان معاشروں اورخاندانوں کے لیے انتہائی مضر ہے ،جن میں انسانی واخلاقی قدروں کا بھرپور لحاظ کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ آج کل رونما ہونے والی زیادہ تر تبدیلیاں سب سے پہلے انسانی واخلاقی اقدار پرضرب لگارہی ہیں ، ماحول میں بڑھتی عریانیت ،اخلاقی گراوٹ اورایک دوسرے سے آگے نکلنے کی ہوڑ میں حقوق کی پامالی کے واقعات آئے دن بڑھتے جارہے ہیں ، ماحول کوتبدیل کرنے میں میڈیا سب سے زیادہ بھیانک کردار ادا کررہا ہے،موٹی رقم کمانے کی آڑ میں پرنٹ میڈیا نے اپنے صفحات پر عریاں لٹریچر شائع کرنے سے گریزنہیں کرتے ،زیادہ تر بڑے اخبارات آج کل فحاشیت پرمبنی تصاویراورمواد شائع کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لے رہے ہیں،اخبارات کے صفحات پرنیم برہنہ تصاویریں شائع کرنے کا رواج تیزی کے ساتھ بڑھ رہاہے،اخبارات کے اس عمل سے مالکان کوتوخوب فائدہ ہورہاہے؛لیکن ماحول تیزی کے ساتھ خراب ہوتا جارہاہے،وہ خاندان جومہذب ہیں اوراس عریانیت وفحاشیت کوقطعاً پسندنہیں کرتے ، وہ اخبارات کی اس تبدیلی پرسخت خفاہیں،اورپس وپیش میں مبتلا ہیں کہ آخر وہ اپنے گھر میں کونسا اخبارلائیں ، اپنے بچوں کوکونسا اخبار پڑھنے کی اجازت دیں ،اخبار کے بدلتی صورت حال کے پیش نظر ایک صاحب نے اپنی ناراضگی کا اظہاراس طرح کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لیے کونسا اخبارگھر پرجاری کرائیں ؛ کیونکہ جس اخبار کوبھی دیکھئے وہ عریاں تصاویراورسطحی مواد سے بھراپڑاہے۔

پرنٹ میڈیا سے زیادہ خطرناک صورت حال الیکٹرانک میڈیا کی ہے ، چاہے وہ ریڈیواسٹیشن ہوں ، یاٹی وی چینل یا انٹرنیٹ، آج کل ایف ایم ریڈیو کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور جابجا ایف ایم ریڈیواسٹیشن قائم کرنے کے لیے خطیر رقم خرچ کی جارہی ہے، مگرسوال یہ ہے کہ ان ایف ایم ریڈیو پرکیا چیزنشر کی جاتی ہے ؟محض سطحی باتیں اورنوجوانوں کے جذبات کومشتعل کرنے والے گانے ، ٹی وی چینل، ریڈیو سے دوہاتھ آگے ہیں ،زیادہ ترچینل ایسے پروگرام نشرکرتے ہیں ،جن سے ماحول خراب ہوتاہے ، بعض چینل تو شب وروز فلمیں دکھاتے ہیں اوربعض چینل ان سے بھی زیادہ فحش پروگرام نشرکرتے ہیں،انٹرنیٹ کی افادیت سے اگرچہ انکارنہیں کیا جاسکتا؛لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس کا بھی عام طور سے غلط استعمال کیا جارہاہے،سوال یہ ہے کہ ایسے ماحول میں لوگ عریانیت،فحاشیت اورطرح طرح کی برائیوں سے کیسے محفوظ رہیں اورکیسے اپنے بچوں کوضیاع وقت سے محفوظ رکھیں اوران کو غلط کاموں سے بچائیں۔

اسلام نے بچوں کی پرورش اورتربیت پرخاص توجہ دی ہے ، اوروالدین کوہدایت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نگہداشت کریں،ان کو اخلاق سکھائیں،تعلیم دیں اوران کی تربیت کریں،اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ ’’اے ایمان والو!اپنے آپ کواوراپنے اہل وعیال کودوزخ کی آگ سے بچاؤ‘‘(التحریم)اپنے آپ کواوراپنے اہل وعیال کودوزخ کی آگ سے بچانے کا مطلب یہی ہے،کہ لوگ خودبھی ایسے گناہوں سے بچیں، جوان کوجہنم تک لے جانے والے ہوں اوراپنے گھر والوں کوبھی

ایسے کاموں سے بچائیں،اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہی کی پابندی کریں،مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے،ان کاموں سے ان سب کو منع کرو،اور جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے،تم بھی عمل کرو اور اپنے اہل وعیال کو بھی ان کاموں کے کرنے کا پابند بناؤ،تب تمہارا یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔

معلوم ہوا کہ بچوں کی تربیت ونگہداشت پر پوری توجہ دی جانی چاہئے،تعلیم وتربیت کے دائرہ کو محدود نہ رکھا جائے،اگر بچوں کو عصری تعلیم دی جائے تو اسے دین کی بنیادی تعلیم بھی فراہم کی جائے،بلکہ دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے،اسی طرح اگر بچوں کو تعلیم کے لیے اسکولوں، کالجوں یا دینی اداروں میں بھیجا جائے تو ان کو عملی تربیت بھی دی جائے، مثلاً کھانے کے آداب،بات کرنے کے آداب،بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ پیش آنے کے آداب بھی بتائے جانے چاہئیں،ایسے ہی عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنے اور صالح زندگی گزارنے کی ترغیب بھی دی جانی چاہئے،ماحول جس برق رفتاری کے ساتھ تبدیل ہو رہا ہے اور معاشرہ میں عریانیت داخل ہو رہی ہے،اس سے کیسے محفوظ رہا جائے،اس طرح کی بنیادی چیزوں پر نگرانی بے حد ضروری ہے۔

انبیاء علیہم السلام اپنے اولاد کی اصلاح پر پوری توجہ دیتے تھے اور ان کے لیے دعائیں فرماتے تھے،قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی وصیت موجود ہے جس میں ان دونوں برگزیدہ نبیوں نے اپنے فرزندوں کو یہ نصیحت اور وصیت کی:''اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دین اسلام کے لیے چن لیا اور حالت اسلام میں ہی تمہاری موت ہونی چاہئے''(البقرہ۱۳۲)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ''وہ اپنے اہل وعیال کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی اصلاح اور ان کی نگرانی کے بارے میں متعدد مواقع پر ہدایت فرمائیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''اولاد کے لیے والدین کا سب سے بہترین تحفہ اور عطیہ ان کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے۔(ترمذی شریف ماجاء فی ادب الولد) ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ''جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کی عادت ڈلواؤ،جب دس برس کی عمر کو پہنچ جائے تو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کرو''۔(ترمذی جلد ا صفحہ ۱۹) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ''آدمی اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار اور نگراں ہے اور قیامت کے دن اہل وعیال سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوگا۔(بخاری باب العبدراع فی مال سیدہ)

بچوں کی تعلیم وتربیت پر دین اسلام نے کس قدر توجہ دی ہے،اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں ان کو قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر یا زمین وآسمان کی کسی بھی جگہ پوشیدہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتا ہے، اے میرے بیٹے نماز کا اہتمام کرو،لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو،اے میرے بیٹے فخر اور غرور کی وجہ سے لوگوں سے انجان مت بنو اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو،زمین پر جب چلو تو درمیانی رفتار سے چلو اور جب بات کرو تو اپنی آواز کو پست رکھو۔(سورلقمان:آیت ۱۶ تا ۱۹)

موجودہ زمانہ میں بچوں کی نگہداشت اور زیادہ ضروری ہے،اس لیے کہ اس زمانہ میں بچوں کو بگاڑنے والے بہت سے سامان چپہ چپہ پر موجود ہیں،جیسا کہ بہت سے گھروں میں ٹیلی ویژن موجود ہیں،جب بچہ قدرے ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے والدین یا بڑوں کو ٹی،وی دیکھتے

ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی ٹی وی دیکھنے لگتا ہے، طرح طرح کے فحاشیت پر مبنی مناظر ٹی وی میں دکھائے جاتے ہیں، اس لیے کچھ وقت کے بعد اسے بھی ٹی وی دیکھنے میں دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اسکرین پر نمودار ہونے والے کرداروں کے مانند اپنے آپ کو بنانے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہونے لگتی ہے، بعض مرتبہ ٹی وی پر منفی کرداروں سے متأثر ہوکر بعض بچے انہیں کے مانند جرائم کرنے لگتے ہیں، ابھی کچھ دنوں کی بات ہے کہ ایک بچہ کا اغوا ہوگیا تھا، جن لوگوں نے اغوا کیا تھا وہ بالکل نوجوان تھے، یعنی ان کی عمریں ۲۰ رسال کے آس پاس تھیں، اغوا کے بعد انہوں نے اس کے والدین سے موٹی رقم کا مطالبہ کیا، میڈیا اور پولس نے اس واقعہ پر گہری نظر رکھی، بہرحال کسی طرح بچے کو چھڑا لیا گیا اور ان نوجوانوں کو گرفتار کرلیا گیا، پولس نے جب ان سے معلوم کیا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں اور اتنا خطرناک کھیل کیسے کھیلا؟ تو انہوں نے بتایا کہ دراصل ہم نے ایک فلم میں اغوا ہوتے ہوئے دیکھا تھا، اسی کی طرح ہم نے بھی ویسا کرنے کی کوشش کی، فلموں، فحش پروگراموں کے ذریعہ کتنے نوجوان اور بچے بگڑ رہے ہیں، اس کی تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی ہے؛ لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان ذرائع سے بگڑنے والے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ کچھ والدین اپنے بچوں کی گھر کے اندر تو پوری نگہداشت رکھتے ہیں، اپنے بچوں کی اصلاح کے لیے وہ گھر میں نہ ٹی وی آنے دیتے ہیں اور نہ ریڈیو اور نہ اس طرح کی کوئی دوسری چیز؛ لیکن گھر کے باہر اپنے بچوں کی دیکھ بھال نہیں کرپاتے، جس کے سبب بچے باہر کے ماحول سے متأثر ہوجاتے ہیں، ضرورت اس بات ہے کہ بچوں کی گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی احتیاط سے نگرانی کی جائے اور ان کی نفسیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کی اصلاح وتربیت کے لیے مثبت تدابیر اختیار کی جائیں۔

﴿بقیہ صفحہ ۱۲ رکا﴾ کہ آپ خود ہی دوسروں کے یہاں طفیلی بن کر جائیں اور ان کے پس خوردہ پر قناعت کرلیں‘‘۔ (عالم عرب کا المیہ، صفحہ ۱۰۴، ۱۰۶)

میں انہی چند تقریری نمونوں پر اس وقت اکتفا کرنا چاہوں گا، اس لیے کہ اس موضوع کو پورے پھیلاؤ کے ساتھ پیش کرنے کے لیے محنت وکاوش اور یکسوئی وفراغت کی ضرورت ہے، یہ ایک بحر بیکراں ہے اور یہ ایک مضبوط ووسیع تر سفینہ کا طالب ہے۔ ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

اگر زندگی نے وفا کی اور وقت نے ساتھ دیا، بلکہ اللہ تعالی نے اگر مدد فرمائی اور توفیق عمل سے نوازا، تو اس موضوع کو کسی رسالہ یا کتاب کا عنوان بنایا جاسکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق والسداد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مختصر مضمون کو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ایک اقتباس پر ختم کیا جائے: ’’آج تمام دنیا میں مسلمان ہیں، کون ایسا ملک ہے جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لیے ہیں، بس یہی مسئلہ ہے، دعوت پھیلانے کے لیے نہیں، ایسا نہیں کہ انسانیت پر رحم کھا کر انگلستان، کنیڈا، امریکہ خود عرب ملکوں کی موجودہ خطرناک حالات دیکھ کر وہ بے چین ہوکر اپنے گھروں سے نکلے ہوں، یہ ’’أخرجني مخرج صدق‘‘ نہیں ہے اور جو وہاں گئے تو یہ ’’أدخلني مدخل صدق‘‘ نہیں ہے، معاشی مصلحت کے مفاد نے ان کو نکالا، معاشی مفاد نے ان کو وہاں داخل کیا، معاشی وذاتی وخاندانی مفاد نے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ کے بجائے نیویارک چلے جائیں تو وہ چلے جائیں گے، آپ جب چاہیں امتحان لے کر دیکھ لیجئے اور جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے، اس لیے نہیں کہ وہاں حرم ہے؛ بلکہ اس لیے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے، یہ نہ ’’مدخل صدق‘‘ پر عمل کر رہے ہیں اور نہ ’’مخرج صدق‘‘ پر چل رہے ہیں‘‘۔ (خطبات مفکر اسلام جلد ۶ رصفحہ ۳۳-۳۴)

////// ☆☆☆☆ //////

ایمان کی باد بہاری

ایک متعصب پادری کی
اسلام کی آغوش میں آنے کی کہانی خود ان کی زبانی

مولانا محمد نظام الدین ندوی مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

سابق امریکی پادری یوسف استیس کا شمار امریکہ کے بہترین اسلامی داعیوں میں ہوتا ہے، انہوں نے اپنے خاندان کے ساتھ ۱۹۹۱ء میں اسلام قبول کیا اور اب تک ان کے ذریعہ سے ہزاروں لوگ اسلام کی آغوش میں آچکے ہیں، کوئی ایسا دن نہیں گذرتا جس میں لوگوں کی کثیر تعداد ان کے ہاتھوں اسلام نہ قبول کرتے ہوں، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق، حسن معاملہ اور ہمیشہ تذکیر الٰہی کی وجہ ان کی شخصیت بہت ممتاز ہے۔

جوزیف استیس نے ایک متعصب نصرانی گھرانہ میں پرورش پائی اور Music System (الانظمۃ الموسقیۃ) کی تجارت اور گرجا گھروں میں اس کے بیچنے کا کام کرتے تھے۔

انہوں نے انجیل اور نصرانی مذاہب کا مطالعہ کیا اور نصرانی الٰہیائی علوم میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی؛ لیکن دوران مطالعہ انہیں نصرانیت کے سلسلہ میں متعدد سوالوں کا سامنا کرنا پڑا، جن کا ان کو تشفی بخش جواب نہ مل سکا؛ بلکہ ان کے دل میں ایک حیرت واستعجاب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

اسلام اور مسلمانوں سے شدید نفرت کے ماحول میں ان کی پرورش ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کے تئیں صرف یہ سنا کہ یہ مسلمان بت پرست ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور صحراء میں (کعبہ مقدسہ) ایک سیاہ صندوق کی عبادت کرتے ہیں اور یہ لوگ وحشی اور دہشت گرد ہیں جو اپنے ایمان وعقائد کے مخالفین کو قتل کرتے ہیں۔

استیس اپنے قبول اسلام کے متعلق کہتے ہیں: ''کہ اسلام کے ساتھ میری کہانی کسی ایسے شخص کی کہانی نہیں ہے جسے کوئی مترجم قرآن مجید اور کچھ اسلامی کتابیں دی گئیں ہوں؛ بلکہ میں ماضی میں اسلام کا دشمن تھا اور نصرانیت کی نشر واشاعت میں ذرا بھی غفلت اور سستی نہیں کرتا تھا اور جب بھی میں ایسے شخص سے ملتا تھا جو مجھے اسلام کی دعوت دیا تھا، تو میں بھرپور کوشش کرتا تھا کہ اسے بھی نصرانی مذہب میں داخل کرلیا جائے''۔

وہ مزید کہتے ہیں'' کہ ۱۹۹۱ء میں میں نے اپنے والد کی معیت میں ایک مصری مسلمان محمد عبدالرحمٰن کے ساتھ تجارت کرنا شروع کیا، ابتداءً تو میں اس سے ملاقات کرنے سے گریز کرتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہے؛ لیکن بعد میں اسے بھی نصرانی مذہب کی طرف بلانے کی غرض سے اس سے ملاقات کرنا شروع کردی۔

میرے اور اس کے درمیان طویل طویل گفتگو ہوتی جس سے کبھی کبھی میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بھی میں کوئی بحث چھیڑ دیتا اور اس آدمی کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تلخ تنقیدیں کرتا مگر وہ شخص اسے برداشت کرتا اور میرے سخت تنقید اور احساسات کو جذب کرتا۔

چند دنوں کے بعد محمد عبدالرحمٰن کچھ وقت کے لیے میرے گھر میں ہی رہنے لگا اور میں محمد عبدالرحمٰن کو نصرانی بنانے کے لیے ایک دوسرے پادری کی خدمت بھی حاصل کرلی، جو مجھے محمد عبدالرحمٰن کو نصرانیت سے

متاثر کرنے میں میری مدد کرتا۔

متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں اور سبھوں نے کوشش کی کہ محمد عبدالرحمٰن نصرانی ہو جائے، ان سوالات میں جو میں اس سے کئے تھے ایک سوال یہ بھی تھا کہ گذشتہ ۱۴۰۰ سو سال کے طویل عرصہ میں کتنے قرآن مجید کے نسخہ منظر عام پر آئے۔

تو جواب یہ ملا کہ قرآن مجید کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور یہ رب ذوالجلال کے پاس (من وعن) محفوظ ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (سورہ حجر آیت ۹) بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی جس میں سے ایک اسلام میں رب کے سلسلے میں عقیدۂ تثلیث کا مسئلہ تھا۔

محمد عبدالرحمٰن کے جوابات بہت متاثر کن اور بلیغ ہوا کرتے تھے، اور جب جب وہ ہمیں " قل هو الله احد،الله الصمد" آیت پڑھ کر جواب دیتا تو اس کی تاثیر اور بڑھ جاتی۔

یہی نقطہ میری زندگی میں انقلاب برپا کرنے والا ہے اور میں اسلام کو قبول کر چکا، مگر یہ کہ میرے انتظار میں مختلف ناگہانی حالات در پیش ہوئے، چنانچہ ایک روز میرے پادری دوست نے محمد عبدالرحمٰن سے اس کے ساتھ مسجد میں جانے کا مطالبہ کیا تاکہ وہ مسلمانوں کی عبادت اور ان کی نمازوں سے واقف ہو سکے، تو اس نے نمازیوں کو دیکھا کہ مسجد آتے ہیں اور نماز پڑھ کر بلا کسی تھکان کے چلے جاتے ہیں، چند روز ہی گذرے تھے کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آیا، یہ واقعہ مجھ پر بہت گراں گذرا اور میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا کہ یہ کیسے؟ اس نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کر لیا اور میں سوچنے لگا۔

پھر میں محمد عبدالرحمٰن اور پادری دوست کے درمیان کھڑا ہوا اور قبول اسلام کا اعلان کیا، چند لمحوں کے بعد میری بیوی نے بھی اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور میرے والدین نے چند مہینوں تک تو انتظار کیا، اس کے بعد انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

میں نے کہا ہم سب کا اسلام اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ہے، اور اس بہترین نمونہ اور قدوہ حسنہ کی وجہ سے ہے جو اس مسلمان میں تھا اور جو ہمارے لیے سراپا دعوت تھا۔

میں نے اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اس کی صحیح اور صاف ستھری تصویر پیش کرنے کی خاطر جس کو میں نے اسلام میں پایا تھا سفر کرنا شروع کر دیا، کہ جو دین جود وسخا، اخلاق وکردار ،الفت ومحبت،شفقت ورحمت کا دین ہے۔

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالی قرآن مجید کے ذریعہ کفار کو چیلنج کرتا ہے کہ اس جیسا پیش کرے، یا پھر تین آیتیں سورۃ الکوثر جیسی پیش کرے؛ لیکن کفار اس سے عاجز رہے۔

//////☆☆☆//////

قلم کار حضرات متوجہ ہوں

ماہنامہ" نقوش اسلام" کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، دعوتی اور تاریخی مضامین ارسال فرما کر دعوت وارشاد اور اصلاح معاشرہ کے اس کار خیر میں اپنا حصہ بنائیں اور ثواب کے مستحق ہوں، مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں، مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں، مضامین میں حوالہ جات کا خصوصی لحاظ رکھیں، مضامین کی اصلی کاپی ہی ارسال کریں، فوٹو اسٹیٹ اپنے پاس محفوظ رکھیں، مضامین ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں واپس کرنے سے ادارہ معذور ہوگا۔(ادارہ)

تجزیہ

عصر حاضر میں امت مسلمہ کا ارتقاء کیسے ممکن

مولوی محمد عمران دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بانیان مدارس کے خواب کلی طور پر پورے نہیں ہو رہے ہیں اور دن بدن یہ بات واضح ہوتی جارہی ہے کہ عربی مدارس کے طلباء اور اساتذہ میں اب نہ پہلے جیسی استعداد وصلاحیت پیدا ہو رہی ہے اور نہ ہی ان کا علمی وعملی فیض عام ہو رہا ہے اور نہ صرف ملت اسلامیہ کے اجتماعی فیصلوں میں ان کی رائے کا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ عالمی پیمانے پر بھی ان کے فیصلوں اور اہم آراء کو حرف غلط سمجھ کر مٹادینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

علاقائی سطح پر بڑھتے جرائم اور بے دینی و بے عملی کو نہ تو ہمارے مدارس سے ہزاروں کی تعداد میں نکلنے والے طلباء روک پارہے ہیں اور نہ قوم کے اساتذہ ورہبران اور اسلام کے قلعے کہلانے والے مدارس ہی اس کا کوئی حل تلاش کررہے ہیں اور نہ عالمی پیمانے پر اہل اسلام کی بڑھتی بے وقعتی و بے اثری کا دنیا کے ۳۳ر فیصدی رقبہ پر چھائی ہوئی، مال ودولت سے مالا مال مسلمانوں کی حکومتیں کوئی حل تلاش کرپارہی ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ جو طلباء اپنے وطن سے جن اعلی جذبات کے ساتھ مدارس کا رخ کرتے ہیں اور ان پر دینی وعملی زندگی کا جو اثر نمایاں ہوتا ہے، مدارس میں آجانے کے بعد وہ اعلی جذبات کیوں مضمحل ہونے لگتے ہیں اور عملی زندگی کا رنگ کیوں پھیکا پڑنے لگتا ہے؟۔

ہر سال ہمارے مدارس سے ہزاروں طلبہ نکلتے ہیں، پھر بھی ہر طرف بے عملی کی زندگی بڑھتی جارہی ہے اور طلبہ معاشرے پر دینی اثر قائم نہیں کرپارہے ہیں، اہل زمانہ کے سامنے مغلوب وبے بس ہو کر بے عملی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں؛ بلکہ دینی قدروں کا احترام بھی ان کے دلوں سے نکل جاتا ہے، وہ اپنے کو نہ دنیا کے قابل سمجھتے ہیں اور نہ ہی دین کے، ایک عرصہ تک ان کو مایوسی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے اور در در کی ٹھوکریں کھا کھا کر عوام کے سامنے اپنے آپ کو بے وقعت کرنا پڑتا ہے، اکثر فارغین کو اس موقع پر مختلف قسم کے ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، آخر ایسا کیوں؟ کیا ہمارے قوم کے رہبران نے کبھی اس کی طرف توجہ کی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ ہمارے اساتذہ اور مدارس طلبا کی زندگی کو بامعنی اور دینی وعملی زندگی بنانے میں ہر سطح پر ناکام ہو رہے ہیں؟ کلمۂ حق اپنے حقیقی معنی میں بلند نہیں ہو پارہا ہے، حق کی بازگشت پورے عالم میں کیوں نہیں گونج پارہی ہے؟ طلباء کے اندر اعلائے کلمۃ اللہ کی قوت وصلاحیت اور باطل کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر حق کی صداقت کا اعتراف کرانے کی جرأت کیوں نہیں پیدا ہو پارہی ہے؟

ایک وقت تھا کہ صرف ۳۱۳ر افراد نے بے شمار کافروں کے متحد لشکروں کو ناکامی کا مزہ چکھا دیا تھا اور آج مسلمانوں کے پاس انھیں کے بقول اسلام کے محافظ قلعے بھی ہیں، اسلامی حکومتیں بھی ہیں، مال وثروت کے ڈھیر بھی ہیں، مگر پھر بھی باطل سے لرزہ براندام ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اور آخر یہ سب اسباب بے معنی کیوں ہیں؟

ان تمام حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے نظام میں غیر محسوس طریقہ پر کچھ نقائص ضرور پیدا ہو گئے ہیں، یا مرور زمانہ نے کچھ نفع بخش اشیاء کو غیر نافع بنا دیا ہے، جو قابل اصلاح ہیں، اگر آج بھی رہبران ملت اور بانیان مدارس طلبہ کے اندر خود اعتمادی واستقلال اور اعلی

صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور امت مسلمہ کے لیے دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی چاہتے ہیں تو اس امر عظیم کے لیے بانیان مدارس، علماء دین اور دانشوران قوم کو نیک نیتی، بلند نظری اور قوت فیصلہ کے ساتھ اساتذہ کے غیر جانبدارانہ انتخاب اوران کے علمی وعملی معیار کے سلسلہ میں ازسرنوغور کرنا چاہئے، یہ اس صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ''مدارس کو خودکفیل بنایا جائے'' محض زکوۃ وخیرات پر مدارس کا انحصار نہ رکھا جائے، بلکہ مدارس کے ذاتی ذرائع معاش بھی ہوں، اس کے لیے مختلف ذرائع وجود میں لائے جاسکتے ہیں، مثلاً تجارت گاہیں (BusinessCentrers) اور دارالصنائع (Factories) لگائی جاسکتی ہیں اور جیسے جیسے موقع ہو اس میں اضافہ کیا جاتا رہے، اس کے اندر مسلم طبقہ کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کیا جائے، جس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی بلکہ شرعی نظام بھی قائم ہوگا۔

اس کے لیے اولاً کسی ایک صوبہ کو منتخب کرکے اس کے مدارس کو متحد کرکے منتخب علماء ودانشوران کی متحدہ جماعت کی سرپرستی میں لایا جائے، مدارس سے فارغ ہونے والے اعلی صلاحیت کے طلبہ کو درس وتدریس میں جگہ دیجائے اور ثانوی درجہ کی صلاحیت والوں کو ان کے ذوق کے مطابق متحدہ مدارس کے تابع ذرائع معاش میں خدمت کرنے کا موقع فراہم کیا جائے، علماء کی متحدہ جماعت مدارس کا جائزہ لیتی رہے اور مدارس میں باصلاحیت اور لائق اساتذہ کو مقرر کرے اور یہی نہیں بلکہ جن علاقوں میں مدارس ومکاتب کی ضرورت محسوس کرے وہاں مدارس قائم کرے۔

دوسرا کام جو ذمہ داران مدارس اور رہبران ملت کو کرتے رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ بدلتے حالات کے پیش نظر اپنے نصاب تعلیم پر گہری نظر رکھیں، ہمارا نصاب تعلیم زمانے کا ساتھ دیتا ہو، ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز یہ تھا کہ ان کا نصاب تعلیم زمانے کا ساتھ دیتا تھا، وہ زمانے کے مطابق اپنے نصاب کو مرتب کرتے تھے، آج بھی اسلاف کی صحیح پیروی یہی ہوگی کہ انھیں کے طرز فکر کے مطابق نصاب تعلیم میں ایسے مضامین کو شامل کیا جاتا رہے جو طالب علم کو عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرسکے۔

دینی مدارس کے امتیازات واختصاصات کو باقی رکھنے کے لیے عصر جدید کے تقاضوں کے پیش نظر چند اصلاحات ضروری ہیں۔

۱- اسلامی نصاب تعلیم اپنے حقیقی پیغام سے عاری نہ ہونے پائے۔

۲- نصاب تعلیم زمانے کا ساتھ دیتا ہو، اور اس کے اندر طلباء کے لیے کشش ہو۔

۳- نصاب مختصر اور جامع ہو، بے جا طوالت سے اسکو محفوظ رکھا جائے اور تعلیم کے عرصہ دراز کو کم کیا جائے، یا طلبا کے حال کے مطابق کم وقتی نصاب اور طویل وقتی نصاب مرتب کیا جائے، تاکہ ہر طرح کا طالب علم اسلامی تعلیمات سے فیضاب ہوسکے۔

۴- طالب علم کے اندر پہلے ایک فن میں مہارت پیدا کرائی جائے، اس کے بعد دوسرے فن کو شروع کرایا جائے، پہلا فن پورا ہونے سے پہلے دوسرا فن نہ تو شروع کرایا جائے اور نہ ہی متعدد فنون کو ایک ساتھ پڑھایا جائے کہ پورا انہاک اور یکسوئی نہ ہونے کے باعث ہر ایک میں نقص باقی رہے، یا نامکمل رہ جائے۔

۵- علوم آلیہ (جو دوسرے علوم کے لیے ذریعہ ہیں) ان کو بقدر ضرورت ہی پڑھایا جائے، ان علوم میں زیادہ دقت نظری نہ پیدا کی جائے اور ان علوم کو طالب علم کی عام فہم زبان میں پڑھایا جائے، تاکہ وہ جلد از جلد مقصد اصلی کی طرف بڑھے، علوم آلیہ کو طالب علم کی زبان میں پڑھایا جانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک مبتدی کے لیے دوسری زبان کا پوری طرح سمجھ پانا مشکل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے لیے قواعد بے معنی ہوکر رہ جاتے ہیں۔

۶- ایک ہی فن میں ایک ہی قسم کی بہ کثرت کتابیں نہ پڑھائی جائیں؛ کیونکہ یہ نہ صرف تضیع اوقات کا باعث ہے بلکہ مانع تحصیل علم بھی ہے۔

۷- کتابوں کے جو مختصرات تیار کئے گئے ہیں خواہ وہ رسائل کی شکل

میں ہوں یا کتابوں کی شکل میں، ان پر تحصیل علم کی بنیاد نہ قائم کی جائے، کہ براہ راست ان کا سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہوتا ہے، تعلیم میں یہ طریقہ نقصان دہ ہے اور اس سے تحصیل علم میں خلل پڑتا ہے، مختصر الفاظ کا تتبع کرنا پڑتا ہے، جو سلیس عبارت سے زیادہ دشوار اور زیادہ وقت کا متقاضی ہوتا ہے۔

۸-فن فقہ بھی عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر چند ترمیمات کا متقاضی ہے، مثلاً جن مسائل کی اب ضرورت کم ہوگئی ہے یا فی الحال ختم ہوگئی ہے ان کو اگر کلی طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا تو کم ضرور کیا جاسکتا ہے، اور معاشیات وغیرہ کے جدید مسائل سے متعلق ابواب کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۹-جدید اقتصادیات وسیاسیات کے متعلق جو مضامین شامل نصاب ہیں وہ ناکافی ہیں، زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر ان میں اضافے کی ضرورت ہے۔

۱۰-موجودہ دور دور صحافت ہے، اسلام کی صحیح نمائندگی پیش کرنے اور اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا جانا بے حد ضروری ہے، اس کے لیے طلبا کو صحافت وثقافت کی مشق بہم پہونچائی جائے۔

۱۱-مسلم طبقہ کی مالی واقتصادی حالت کو مستحکم بنانے کے لیے طلباء کو تجارتی طریقوں اور جدید ٹیکنالوجی (New Technology) سے آراستہ کیا جائے اور طلبہ کو اس کی علمی وتحقیقی مشق بھی کرائی جائے۔

/////☆☆☆/////

پہلے اپنی فکر!

اس زمانے میں یہ مرض عام ہے کہ مسلمان عموماً اپنی اصلاح کی فکر سے بے نیاز رہ کر ملت کی زبوں حالی اور تباہی کا رونا روتے ہیں، گویا کچھ لوگوں کا جذبۂ حسن لوگوں کی نیت پر مبنی ہوتا ہے، مگر مرض کا ازالہ مرثیہ خوانی اور کف افسوس ملنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح علاج پہلے اپنی، اس کے بعد دوسروں کی اصلاح ہے اور جب اپنی اصلاح سے فراغت ہوجائے، تو دوسروں کی فکر ہو، صرف دوسروں کی فکر صرف زبان سے کرنا اور اپنے سے غافل رہنا لیڈرانہ شان ہے، میری مخلصانہ خواہش ہے کہ ہم لوگ سب سے پہلے اپنے اپنے احوال پر نظر کریں، اپنی صحت روحانی واخلاقی ودینی فکر کریں، اس کے ساتھ اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان کی خبرگیری کریں اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگیں، انشاء اللہ اگر ہم اس طرف متوجہ ہوں گے تو سارے مسلمانوں کی حالت بدل جائے گی۔

بلاشبہ امت مرحومہ کی پریشاں حالی اور پراگندگی کی کیفیت آپ کو متاثر کرتی ہوگی، مگر غور کیجئے کہ اس کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے؟ جب آپ کی استطاعت سے وہ چیز خارج ہے تو اس کی فکر میں پڑ کر اپنا وقت آپ کیوں ضائع کرتے ہیں، یہ تو لیڈرانہ قسم کا ایک مرض ہے، آپ کو اختیار اپنے اوپر ہے اور اپنے اہل وعیال اور متبعین کے اوپر ہے، آپ اپنی اور ان کی اصلاح کی فکر فرمائیں کہ یہ آپ کی استطاعت میں ہے۔

میرا مقصد یہ تھا کہ انسان کو پہلے اپنی پاکی کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے بعد دوسرے کی فکر کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ موجودہ سیاسی لیڈروں کی طرح دوسروں کی فکر تو ہو مگر خود اپنی فکر سے غفلت تام ہو، اس سے نہ اپنا ہی بھلا ہوتا ہے نہ دوسروں کا۔ (ماخوذ از: سلوک سلیمانی)

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی تاریخی معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/ روپیہ ہے۔

اعجاز قرآنی

قرآن کا عددی اعجاز
قرآن کی حقانیت کی واضح دلیل

مولانا مشیر عالم قاسمی مرکز المعارف بھٹنڈی، جموں کشمیر

قرآن کریم اللہ تعالی کی آخری کتاب ہے، اللہ تعالی نے اس میں ایسی حیرت انگیز تاثیر رکھی ہے کہ ہٹ دھرمی اور عناد کی بات تو اور ہے لیکن جو شخص بھی غیر جانبداری اور اخلاص کے ساتھ اس کو پڑھے گا وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے، قرآن کریم کے بے شمار خصوصیات ہیں، جس میں سے ہر خصوصیات اس کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے پر کافی وشافی ہے، قرآن کریم کے من جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اس کا اعجاز ہے اور اس کا یہ اعجاز کسی خاص گوشہ یا جمال کے کسی مخصوص صفت میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کو عام ہے، خواہ وہ حسن بلاغت وکمال فصاحت کا گوشہ ہو یا الفاظ کی جدّت وجامعیت کا، یا معانی کی وسعت وشمولیت کا، چنانچہ جہاں وہ مرصع الفاظ، مؤثر تعبیر اور دلکش اسلوب کا شاہکار ہے، وہیں حقائق ومعارف، علوم وحکمت، پند ونصیحت اور احکام ومسائل کا عظیم ذخیرہ بھی ہے، قرآن کے اسی جامعیت کا یہ جلوہ طرازیاں ہیں کہ وہ تاریخ کی کتاب تو نہیں مگر تاریخ کا مستند ترین مآخذ ہے، وہ سیاست وقانون کی کتاب تو نہیں لیکن اس نے چند مختصر جملوں میں سیاست اور جہاں بانی کے وہ اصول بیان فرما دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گے، وہ فلسفہ اور سائنس کی کتاب تو نہیں لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کی بہت سے عقدے کھول دیئے ہیں، وہ معاشیات اور عمرانیات کی کتاب تو نہیں لیکن دونوں موضوعات پر اس نے اختصار کے ساتھ ایسی جامع ہدایات دیدی ہیں کہ دنیا کے علوم وفنون سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچ رہے ہیں، وہ شعر وشاعری کی کتاب تو نہیں لیکن اس میں ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے، بلکہ تأثیر میں اس قدر بڑھا ہوا کہ عربیت کا صحیح ذوق رکھنے والا جو بھی سچا انسان اسے سنتا ہے وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکا، اور جس نے اپنی ضد، نفس پرستی اور عناد کا شکار ہو کر ایمان نہیں لایا وہ بھی متأثر ہوا اور مجبور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر وشاعر اور اس قرآن کو سحر وجادو کہے۔

قرآن کی اسی جامعیت کا یہ کمال ہے کہ اگر الڑھ دیہاتی اور ان پڑھ آدمی اس کو پڑھے تو اس کو اس میں ایسے سادہ حقائق پائے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ تو میرے ہی لیے اترا ہے، اگر علمائے محققین اس پر گہری نظر ڈالیں تو انھیں اس میں وہ علمی نکات اور باریکیاں ملیں جسے معمولی واقفیت کا آدمی سمجھ نہیں سکتا، لیکن اس کے انہیں حقائق اور علمی نکات میں اتر کر اگر کوئی دیکھے تو اسے اس میں وہ خالص عقلی اور منطقی دلائل موجود پائے جو فلسفیانہ موشگافیوں کے مریضوں کو شفا بخشے اور باتوں باتوں میں فلسفہ اور سائنس کے وہ دقیق مسائل حل کر دے جن کی تحقیق کے لیے بڑے بڑے فلسفی آخر تک پیچ وتاب کھاتے رہے۔

الغرض قرآن کریم اپنے اندر ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے اعجازی پہلو کو سموئے ہوئے ہے، گویا کہ قرآن نام ہے ''ازمنہ ماضیہ کے جمیع جدت وندرت اور خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے، حال کے تمام تر رعنائیوں اور ضوفشانیوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے، مستقبل کے تمام تر

تقاضوں کو سحراتی وسعت دیئے ہوئے اور ہر دور میں مرکز توجہ اور مصدر تحقیق وریسرچ کے حامل ایک جامع ومعجز کلام کا''۔

قرآن کریم چونکہ ایک کلام معجز اور قیامت تک آنے والی ہر قسم کی انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قیامت تک ہر قسم کے غواص اس میں غواصی کرتے رہیں گے اور اپنی بساطت کے موافق اس سے کسب فیض کرتے رہیں گے، حقیقت کے اسی رخ کو واضح کرتے ہوئے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لاتنقضی عجائبہ'' یعنی علم وحکمت کا ایک ایسا منبع ومصدر ہے کہ ہر دور میں تحقیق وریسرچ کا رسیا اس میں غور وفکر کرتے رہیں گے، اس کے بحر عمیق میں غوطہ زن ہوتے رہیں گے اور نئے نئے انکشافات اور اس کے انمول موتیوں سے دنیا کو روشناس کراتے رہیں گے، لیکن پھر بھی اس کے بے بہا خزانہ میں تھوڑی سی بھی کمی نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے لیکر آج تک صاحب علم وبصیرت نے اس کی تفسیری گوشوں پر مختلف جہتوں سے طبع آزمائی کرتے رہے، اور ہر مفسر وریسرچر ہر مرتبہ ایک نئی حقیقت سے روشناس ہوتا رہا۔

چنانچہ بعض عرب محققین نے جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ اس کو بروئے کار لایا ہے، یعنی کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن کے عددی اعجاز سے لوگوں کو متعارف کرایا ہے، یعنی قرآن کے اعداد کی روشنی میں قرآن کی حقانیت کو واضح کیا ہے، جس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

قرآن کریم میں ''ایمان'' اور ''آمنوا'' کا ذکر ۲۵ رمرتبہ آیا ہے، تنہا لفظ ''ایمان'' کا استعمال ۱۷ رمرتبہ اور ''ایمان'' ۸ رمرتبہ آیا ہے، ایمان اور آمنوا ایک ساتھ جمع ہوکر آیا ہے، اسی طرح لفظ کفر بھی ۲۵ رمرتبہ آیا ہے، ۱۷ رمرتبہ تنہا لفظ کفر اور ۸ رمرتبہ کفر کے ساتھ نفاق کا بھی ذکر آیا ہے، اسی طرح دنیا وآخرت میں بھی عجیب یکسانیت ہے، دنیا کا ذکر قرآن میں ۱۱۰ رمرتبہ آیا ہے تو آخرت بھی ۱۱۰ رمرتبہ آیا ہے، ملائکہ کا ذکر ۸۸ رمرتبہ ہے تو شیطان کا ذکر بھی ۸۸ رمرتبہ آیا ہے، حیات کا ذکر ۱۴۵ رمرتبہ آیا ہے تو موت کا ذکر بھی اتنی ہی بار آیا ہے، لفظ ''الناس'' کا ذکر ۵۰ رمرتبہ آیا تو ''الرسل'' جو لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان کا ذکر بھی ۵۰ رمرتبہ آیا ہے، لفظ ''الجہر'' ۱۸ رمرتبہ آیا تو لفظ ''السر'' بھی ۱۸ رمرتبہ آیا ہے، لفظ ''الرجل'' ۲۴ رمرتبہ آیا ہے تو لفظ ''المرأۃ'' بھی ۲۴ رمرتبہ آیا ہے، آدمی کی خلقت نطفہ اور مٹی دونوں سے ہے تو جہاں لفظ ''النطفہ'' کا ذکر ۱۲ رمرتبہ آیا ہے تو لفظ ''الطین'' کا ذکر بھی ۱۲ رمرتبہ آیا ہے، قرآن کریم کی یہ حیرت انگیز عددی یکسانیت اس کے اعجاز اور منزل من اللہ ہونے کو بخوبی اجاگر کرتی ہے۔

قرآن کریم کے عددی اعجاز کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی صراحت کے بموجب آسمان سات ہیں تو لفظ ''سبع سموات'' بھی صرف سات جگہ آیا ہے، اور وہ سات مقام یہ ہیں:

"فسواھن سبع سموات" (البقرہ ۲۹) "فقضاھن سبع سموات" (حم السجدہ ۱۲) "اللّٰہ الذی خلق سبع سموات" (الطلاق ۱۲) "تسبح لہ السموات السبع" (بنی اسرائیل ٤٤) "قل من رب السموات السبع" (المومنون ۸٦) "الذی خلق سبع سموات طباقا" (الملك ۳) "الم تروا کیف خلق اللّٰہ سبع سموات طباقا" (نوح ۱۰).

اسی طرح قرآن کی صراحت کے بموجب مہینوں کی تعداد بارہ ہیں، چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد ہے " ان عدۃ الشھور عنداللّٰہ اثنا عشر شھراً " یعنی اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے، آیت میں جس طرح سال کے بارہ مہینے ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ''شہر'' کا لفظ استعمال فرمایا، اسی طرح پورے قرآن میں لفظ ''شہر'' بارہ مرتبہ آیا ہے، تعداد کی یہ یکسانیت قرآن کے اعجاز اور اس کے منزل من اللہ ہونے پر بین دلیل ہے۔

بعض الفاظ کی عددی یکسانیت اور عددی تناسب سے بہت بڑی معنویت اور عظیم فوائد کے اشارے بھی ملتے ہیں مثلاً: ابلیس کا ذکر ۱۱ رمرتبہ ہے تو ابلیس سے پناہ مانگنے کا ذکر بھی ۱۱ رمرتبہ ہے، جس میں عجیب معنوی اشارہ پایا جاتا ہے، اسی طرح "الانفاق" خرچ کرنے کا ذکر

۳۷ر مرتبہ آیا تو لفظ "الرضاء" بمعنی خوشی کے بھی ۳۷ر مرتبہ آیا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی خوشی سے اللہ کو راضی کرنے لیے خرچ کرنا چاہئے،اسی طرح قرآن میں لفظ "الضالون" ۱۷ر مرتبہ آیا ہے، جو گمراہ کے معنی میں ہے تو لفظ "الموتی" بھی ۱۷ر مرتبہ آیا ہے، گویا اشارہ ہے کہ گمراہی موت ہے اور گمراہ حقیقی زندگی سے محروم ہے، نیز لفظ "الزکاۃ" ۳۲ر مرتبہ آیا ہے، تو لفظ "البرکۃ" بھی ۳۲ر مرتبہ آیا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ اس میں برکت ہوتی ہے، قرآن میں لفظ "السحر" ۶۰ر مرتبہ آیا ہے تو اسی طرح "الفتنہ" ۶۰ر مرتبہ آیا ہے، گویا سحر کے فتنہ ہونے کا اشارہ ہے، قرآن میں لفظ "اللسان" ۲۵ر مرتبہ آیا ہے تو لفظ "الموعظۃ" بھی ۲۵ر مرتبہ آیا ہے ، گویا زبان سے کلمہ نصیحت ہی نکلنا چاہئے ، لفظ "الذھب" ۸ر مرتبہ آیا ہے، تو لفظ "الشرف" بھی ۸ر مرتبہ آیا ہے، اشارہ ہے کہ سونا تو عیش وعشرت کا ذریعہ ہے، لفظ "العقل" ۴۹ر مرتبہ آیا ہے، تو لفظ "النور" بھی ۴۹ر مرتبہ آیا ہے، یعنی عقل کے لیے نور وبصیرت چاہئے، لفظ "الشدۃ" ۱۱۴ر مرتبہ آیا ہے تو لفظ "الصبر" بھی ۱۱۴ر مرتبہ آیا ہے، گویا شدت میں صبر کرنا چاہئے، قرآن میں لفظ "محمد" ۴ر مرتبہ آیا ہے، تو لفظ "الشریعۃ" بھی ۴ر مرتبہ آیا ہے، اور لفظ ابرار کا ذکر فجار سے دوگنا ہے، فجار کا ذکر تین مرتبہ ہے، اور ابرار کا ۶ر مرتبہ ہے، گویا اشارہ ہے کہ ابرار کو فجار سے زیادہ ہونا چاہئے، لفظ "فعل" کا ذکر ۱۰۸ر مرتبہ آیا تو لفظ "اجر" کا ذکر بھی ۱۰۸ر مرتبہ آیا ہے، یعنی آدمی کو اجر اس کے فعل کے بقدر ہی ملتا ہے، لفظ "حساب" کا ذکر ۲۹ر مرتبہ ہے تو لفظ "عدل وقسط" کا بھی ۲۹ر مرتبہ آیا ہے، یعنی حساب پورے عدل وانصاف سے ہوگا، یہ حیرت انگیز معنوی یکسانیت قرآن کے اعجاز اور منزل من اللہ ہونے پر بین دلیل ہے، تاہم یہ بات گوش گزار ہونا چاہئے کہ اس طرح کی چیزیں نہ مقصود ہیں اور نہ ہی مطلوب اصل چیز تو حکم خداوندی کی بجا آوری اور اس کی اطاعت ہے۔

//////☆☆☆//////

ایک عالمِ دین کے فرائض

آج زمانے کے خیالات اور دنیا کے واقعات میں اس تیزی سے تبدیلی ہو رہی ہے کہ ان کو جانے اور سمجھے بغیر آپ مسلمانوں کی خدمت نہیں کرسکتے ، دنیا میں سیاسی اور اقتصادی خیالات ایسے چھائے ہوئے ہیں اور انقلاب کی گھڑیاں اس طرح پے در پے آرہی ہیں اور گزر رہی ہیں کہ جس عالم دین کو مسلمانوں کے لئے خدمت گزار ہونا ہے، تو پہلے ان کو سمجھنا اور ان کے حل کی تدبیریں سوچنا ضروری ہے، صرف اعراض اور تغافل سے آپ ان مسائل کو حل نہیں کرسکتے ؛ کیونکہ آپ کے توجہ نہ کرنے سے نہ دنیا اپنے قاعدہ کو بدل سکتی ہے اور نہ زمانہ اپنے رخ کو پلٹ سکتا ہے، مشکلات کا مقابلہ کرنا اور موجودہ جدوجہد میں مناسب حصہ لینا اور ملک وقوم کی زندگی میں مسلمانوں کے مناسب مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک عالم دین کا فرض ہے۔

آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا، پڑھانا، مسئلہ بتانا اور فتوی سمجھانا ہے؛ لیکن اب وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو پھر دہرائیں، ان کا کام صرف علم ونظر تک محدود نہیں؛ بلکہ عمل وجدوجہد اور علمی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے ، ہر آبادی میں جہاں وہ رہیں وہ ان کی کوشش وخدمت سے آباد رہے ، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، وہاں کے نادانوں کو سمجھانا، وہاں کے غریبوں کی مدد کرنا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے امیروں کو حق کا پیغام سنانا، وہاں کے معذوروں کی خدمت کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا ،مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا، ان کو دنیا کے حالات سے باخبر کرنا اور اپنے علم وعمل کی ہر کوشش سے ان کو فائدہ پہنچانا ایک عالم دین کے فرائض ہیں۔ (حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ)

سیرت وکردار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

محمد ابوذر اسلمی، دارالعلوم دیوبند

تاریخ کے ابتدائی دور سے لے کر موجودہ دور تک شجاعت اور اولوالعزمی واستقلال انسان کا بہترین زیور قرار دیا گیا ہے، دراصل یہی وہ صفت ہے جس سے تنہا ایک آدمی زمانے کی تاریخ پلٹ دیتا ہے، جب کسی قوم میں شجاعت وجواں مردی کی صفات پیدا ہوجاتی ہے تو پھر ساری دنیا مل کر اسے غلام نہیں بنا سکتی؛ لیکن شجاعت اور الوالعزمی کے ساتھ اگر عقل سلیم نہ ہوتو یہی شجاعت اس قوم کی نہیں بلکہ دنیا کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے، مثلاً چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی ظالمانہ شجاعت کی داستانیں ابھی تک دنیا فراموش نہیں کرسکتی۔

ہر مصلح اور ریفارمر یا قوم کا نجات دہندہ جب اپنی قوم کو تباہی سے بچانے کے لیے کوئی افعال کرتا ہے تو اسے سخت سے سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اذیتیں دشمن کے ہاتھوں سے پہنچتی ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس کی قوم کے بعض افراد اپنی خودغرضی اور پرانے رسم ورواج کے تحت اس قوم کے نجات دہندہ کی مخالفت پر آمادہ ہوکر ایڑی وچوٹی کا زور لگا کر ایسی صورت اختیار کرلیتے ہیں کہ اس غم خوار قوم کو دوہری مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بیرونی دشمن سے بھی حفاظت نہایت ضروری ہوجاتی ہے، اور اندرونی طور پر اذیت رسانوں کا بھی حفاظت لازم ہوجاتا ہے۔

اس نازک موقعہ پر اچھوں اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ اپنے دشمنوں کو کچلنے کے لیے درندگی وحشت اور بربریت پر اتر آتے ہیں اور اسے جائز ومستحسن سمجھتے ہیں۔

اس پس منظر کے بعد اب اگر ہم اقوام عرب کی حالت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ شجاعت اور مردانگی کا جوہر تو ان میں عام طور پر موجود تھا مگر عقل سلیم کی رہنمائی کے بغیر شجاعت، شجاعت نہیں بلکہ درندگی بن چکی تھی۔

ایسے بہادر اور قوی آن پر مرمٹنے والوں کے درمیان نعرہ توحید بلند کرنا، اس کی اشاعت میں تن تنہا مصروف رہنا، علی الاعلان ان کے خداؤں کی تکذیب کرنا، گویا خود کو موت کے منھ میں ڈال دینا تھا، لیکن خداداد ہمت وشجاعت کے ساتھ انہی مکہ والے درندے اور وحشی عربوں کے درمیان دنیا کے سب سے زیادہ بہادر اور اولوالعزم انسان جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان حق فرمایا، اسی لیے قرآن میں فرمائے ہوئے ''اولوالعزم من الرسول'' میں آپ کا درجہ یقیناً سب سے بڑھا ہوا ہوگا، آغاز نبوت سے لے کر وفات شریفہ تک آپ شجاعت واستقلال کا ایسا شاہکار بنے رہے جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر ہے، غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک شخص تن تنہا بے یارومددگار دعوت حق لے کر اٹھتا ہے، ریگ زار عرب کا ذرہ ذرہ مخالفت کا پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن ''اولوالعزم من الرسول'' کے وقار نبوت کی ایک ٹھوکر سے مخالفت کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں، تیرہ برس تک اعلان حق کرنے پر بھی مسلسل ناکامیوں سے دل برداشتہ نہیں ہوتے حسرت ویاس کا نام تک نہیں لیا۔

روسائے مکہ نے آپ کے سامنے حکومت ودولت کی پیش کش کرکے اعلان حق سے آپ کو ہٹانا چاہا؛ لیکن ہادی برحق نے کمال فراخ حوصلگی سے کام لے کر ان کی درخواست کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر جوابی طور پر تبلیغ حق فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال اور ثبات قدمی کے لیے سب سے نازک موقعہ اس وقت تھا جب آپ کے چچا ابوطالب نے

بھی کفار کے دباؤ سے مجبور ہو کر آپ کا ساتھ چھوڑنا چاہا، تو اس موقعہ پر آپ نے جو نعرے ارشاد فرمائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور استقلال والوالعزمی کا سب سے اعلی طریقہ اور بہترین نمونہ ہیں، فرمایا چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں، تب بھی میں اعلان حق سے باز نہ آؤنگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں اور اللہ تعالی اپنے معزز کتاب میں ارشاد فرمایا "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاۤءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۤءُ بَيْنَهُمْ" (سورہ فتح)

محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں، ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رات کے وقت اچانک کچھ شور وغل ہوا تو اہل مدینہ گھبرا اٹھے اور سمجھے کہ دشمنوں نے حملہ کر دیا کیونکہ قریش مکہ کی جانب سے خبریں آ رہی تھیں کہ وہ اچانک حملہ کرنا چاہتے ہیں، تمام مدینہ والے پریشان تھے مگر کسی کو ہمت نہ تھی کہ تنہا نکل کر دیکھیں، مگر چند لوگوں نے ہمت کر کے مدینہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لا رہے ہیں اور تمام اہل مدینہ کو تسلی دیتے جاتے ہیں کہ گھبراؤ مت، میں مدینہ سے باہر دیکھ کر کے آیا ہوں کوئی اندیشہ نہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں اونٹ پر سوار اور ابوسفیان اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے جا رہے تھے، یکبارگی مشرکین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ پر حلقہ بنا کر حملہ آور ہوئے تو آپ نے اسی وقت اونٹ سے نیچے اتر آئے اور پیدل مشرکین کے حلقہ میں حملے کا جواب دیتے جاتے ہیں اور یہ ارشاد فرماتے ہیں "انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب" میں خدا کا پیغمبر ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

راوی بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک اس قدر شجاعت و بہادری کا نظارہ کبھی نہیں دیکھا، جیسا کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے متعلق شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنے لہو سے روشن کر دی ہیں گلیاں اس ویرانے کی
گر چہ بہت تاریک تھیں راہیں شہر وفا تک جانے کی

ظاہر کو دیکھ کو باطن پر حکم نہیں لگانا چاہئے

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے ایک حبشی کو دیکھا جو ایک عورت کے ساتھ اس طرح بیٹھا تھا کہ سامنے شراب کی بوتل پڑی ہوئی تھی اور اس میں سے انڈیل انڈیل کر خود بھی پی رہا تھا اور اس عورت کو بھی پلا رہا تھا، خواجہ حسن بصریؒ نے اس کے اس فعل کو ناپسند کیا اور اس کی طرف ملامت آمیز نظروں سے دیکھا، اتنے میں مسافروں اور سامان سے لدی ہوئی ایک کشتی وہاں سے گزری جو آگے جا کر منجدھار میں پھنس گئی اور الٹ گئی، اس کشتی کے چھ مسافر پانی میں جا پڑے اور غوطے کھانے لگے، وہ حبشی فوراً دریا میں کود پڑا اور چھ آدمیوں کو پانی سے نکال لایا، پھر وہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، حضرت آپ مجھ پر ملامت آمیز نظر ڈالتے ہیں؛ لیکن میں نے جان جوکھوں میں ڈال کر چھ آدمیوں کو غرق ہونے سے بچالیا ہے، آپ ایک ہی جان بچالیتے، خواجہ حسن بصریؒ اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہوئے، پھر اس حبشی نے کہا "اے مسلمانوں کے امام! بوتل میں شراب نہیں پانی ہے اور یہ عورت میری ماں ہے، تم کسی کے ظاہر سے اس کی باطنی حالت کا اندازہ کیسے کر سکتے ہو، خواجہ حسن بصریؒ نے اس حبشی سے معافی مانگی اور اس دن کے بعد انہوں نے کبھی کسی کو نظر حقارت سے نہ دیکھا اور ہمیشہ اس شعر کا مصداق بنے رہے۔

اے ذوق کسی کو چشم حقارت سے نہ دیکھئے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

دعوت فکر

File E:\Border\BORDERS\012.bmp not found.

شرعی تقاضوں سے ہماری تساہلی کا نتیجہ

مولوی احسان احمد سیتامڑھی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

موجودہ دور میں عالمی سطح پر پوری کی پوری انسانی دنیا فسادات وخرافات اور کشت وخون کے زیر سایہ حالت قلق واضطراب میں گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور نظر آ رہی ہے، جس کا مشاہدہ ہم آئے دن اخبارات ورسائل کے ذریعہ اور دیگر دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کرتے ہیں ، ایسی ایسی دل دوز و دل سوز خبریں ہمارے پردۂ سماعت سے ٹکراتی ہیں اور ایسے خوفناک والمناک مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوتے ہیں، جن کے مشاہدے کے بعد یقیناً کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے اور اس کے معاً بعد ہی ہماری زبانوں پر بے ساختہ الامان والحفیظ کی صدائیں بازگشت کرنے لگتی ہیں۔

لیکن ان سب احوال وکوائف کے مشاہدے کے بعد ایک صاحب عقل وخرد کے دل میں فوراً ہی ایک سوال اٹھتا ہے؛ کیونکہ یہ حقیقت بھی تقریباً مسلمہ ہے کہ عقلمند اور ذی ہوش شخص صرف وہی ہوتا ہے جو اپنے نقصان وخسران، اپنی کم مائیگی اور کمزوری، اپنی ذلت ورسوائی نیز معرکہ حیات میں اپنی ہزیمت وہار کے اسباب وعوامل کو تلاش کر کے اس کو اپنے اندر سے محو کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا عزم مصمم بھی کرتا ہو کہ انشاء اللہ اب شکست وریخت سے دوچار نہیں ہونا ہے اور وہ پیدا ہونے والا سوال یہ ہے کہ آج ہم متبعین اسلام حالت قلق واضطراب میں کیوں گرفتار ہیں؟ آج دوسری اقوام وملل کے سامنے ہم کیوں پابند سلاسل نظر آ رہے ہیں اور اس طرح سے آج ہماری بزدلی کا یہ عالم کیوں اور کیسے ہو گیا ہے کہ ہم غیروں کے سامنے بغیر خوف لومۃ لائم اپنے دین وشریعت کے تعلق سے کیوں نہیں کوئی بات ادا کر پاتے ، بھلا ہم میں وہ طاقت وقوت کب اور کیسے پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم اعداء اسلام کے سامنے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے پارلیمنٹ اور Governor-House میں داخل ہو کر ان کے بادشاہوں کے سامنے اس کے خدم وحشم کی ایک جم غفیر کی موجودگی میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ربعی ابن عامر کے اس واقعہ کو جو رستم کے اس شہنشاہی دربار میں جو کہ نہ جانے کتنے قیمتی ہیرے اور جواہرات سے مزین کیا گیا تھا کیوں نہیں دہراتے ، جس میں انہوں نے نہایت اعلی درجہ کی جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہم کو یہاں بھیجا ہے تا کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑا کر اللہ کی غلامی کی طرف اور مختلف ادیان ومذاہب کے مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی طرف اور دنیا کی تنگیوں اور مشکلوں سے نکال کر اس کی کشادگی کی طرف رہنمائی کریں ، یہ تھا ایک صحابی رسول کی شجاعت ایمانی اور زور مسلمانی کا عالم جو تاریخ کے سنہرے ابواب میں اپنے سنہرے لفظوں کے ساتھ جلی حرفوں میں آج بھی موجود ہے اور اپنے دامن میں ہزاروں عبرتیں چھپائے ہوئے ہے جس سے تاریخ سے باخبر حضرات بخوبی مطلع ہیں۔

لیکن اس دور میں ہم متبعین اسلام کے خیب وخسران کا بنیادی سبب بلکہ اس کا اصل محرک اور اچھے لفظ کے ساتھ Main Point صرف اسلامی، دینی، شرعی طریقوں سے تساہل وتغافل ہی نہیں؛ بلکہ سارے

کے سارے دین اسلام کے وضع کردہ نظام حیات سے انحراف وانقباض، اجتناب وتحذر اور مکمل طور سے ان سے پہلوتہی اور دامن تہی اختیار کرنا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظام سے دوری اور مہجوری ہے، اسی کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ہمارے معاشرے اور Socity میں قتل وخون کی ایک عام فضا ہے جو کوئی معمولی چیز نہیں، اس کے مشاہدے سے کلیجے منھ کو آتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوں کا ایک سیلاب جھلکنے لگتا ہے اور دل کے پھٹ جانے کا اندیشہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

جب انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کے قتل وخون کے بے دردانہ مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، تو اس وقت ذہن کلی طور پر اس واقعہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے کہ جب تخلیق آدم سے قبل خدا تعالی نے فرشتوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں روئے زمین پر اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنے جارہا ہوں تو فرشتوں نے یہی کہا کہ آپ ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے جارہے ہیں، جو زمین میں فساد اور کشت وخون کا بازار گرم کرے گی، ہم تو آپ کی مدح وثنا خوانی اور آپ کی بڑائی بیان کرنے کے لیے کافی ہیں، وہ چیزیں آج اس دور میں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ ثابت ہورہی ہیں جنکا فرشتوں نے اللہ تبارک وتعالی کے حضور میں پیشگی اظہار فرمایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اور جس دور میں بھی انسان اپنے خالق حقیقی سے اپنا رشتہ توڑے گا اور اس کے متعین کردہ حدود شرائع سے رخ موڑے گا تو پھر اس فانی دنیا میں بھی اور اس کے بعد آنے والی ابدی زندگی میں بھی خیب وخسران، جبران ونقصان سے اس کو حیران وپریشان ہونا ہی پڑے گا اور ناکامی ومرادی اس کا مقدر بن کر ہی رہے گی۔

آج عام طور سے یہ بات مشاہدے میں آرہی ہے کہ پوری دنیا سے امن وسکون اور راحت وآرام کا بالکلیہ صفایا ہو چکا ہے، آج ہر جگہ قتل وغارتگری کا ایک عام ماحول ہے اور تمام مسلمانوں پر حسرت ویاس کی ایک نہایت دبیز چادر پڑی ہوئی ہے، خوف وہراس کا عام ماحول ہے، مسلمانوں کے جسم وجان تک غیر محفوظ ہیں، کہیں تو ان کے افکار وخیالات پر مغربیت ولادینیت کے نت نئے حملے ہیں، تو کہیں ان سے ارتداد کے اختیار کرنے پر بے جا سوالات اور دباؤ کا ایک انبار ہے، تو کہیں صرف اسلام کے نام پر متہم قرار دیئے جانے کی ایک منظم اور منصوبہ بند سازش ہے، آخر ایسا ماحول اور حقیقتاً جنگ کی یہ تدابیریں ہمارے ہی خلاف کیوں اپنائی گئی، جب کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں ہمارے پاس اشخاص وافراد کی کمی نہیں؛ بلکہ ان کی بہتات ہے اور اسی طرح آلات ووسائل اور سب سے قیمتی قدرتی ذخائر کا سب سے بڑا حصہ ہمارے پاس موجود ہے۔

تو غور کرنے سے یہ پتہ چلا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مالک حقیقی سے رشتہ توڑا اور اس کے احکام وشرائع سے منھ موڑا اور دین اسلام کو چھوڑ کر ہم نے دوسرے ادیان ومذاہب سے اپنا رشتہ جوڑا ہے، تو بھلا ہم کو اس صورت میں کامیابی کیسے حاصل ہوسکتی ہے، اللہ تعالی نے تو کامیابی کے حصول کے لیے یہ اعلان عام فرمایا ہے کہ کامیابی ہمیں صرف اسی حالت میں حاصل ہوگی جب ہم ایمان کامل کے مکمل حامل ہوں گے۔

لہٰذا اس دور پرفتن میں ہم تمام مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے گھروں میں، خاندانوں میں، علاقوں میں، معاشرے میں اور پھر ملک اور بیرون ملک میں دینی فضا کی بیداری واستواری کا ایک عام ماحول بنائیں کہ ہمارا ہر ہر عمل شریعت کی جانب سے متعین کردہ قوانین وضوابط کے اعلی معیار کے مطابق ثابت ہوسکے اور الغرض ہماری تجارت، زراعت، ہماری ثقافت، ہماری امامت اور ہماری سیاست اسلام کے متعین کردہ قواعد وضوابط کے عین مطابق ہو، تب جاکر کہیں ہمیں فوز وفلاح، شادکامی ونیک نامی حاصل ہوگی۔

//////☆☆☆/////

Files\A027.tif not found.

محاسن اسلام

اسلام میں عورت کا مقام

حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل پوری روئے زمین پر عورت کو گناہ کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا اور بھیڑ بکری سے زیادہ وقعت نہ دی جاتی تھی، ہندوستان میں عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اس کو اپنے شوہر کے ساتھ آگ کی چتا پر جلنا پڑتا اور جو قبیلے عورت کو مرد کے ساتھ جلنے پر مجبور نہ کرتے تو اس عورت کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی، اس کو منحوس سمجھا جاتا تھا، اس کی پوری زندگی مصیبتوں میں گذرتی، بیوہ کی شادی جائز نہ سمجھتے تھے، عرب میں بھی عورت کی زندگی بدترین تھی، بعض قبیلے لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے، عورت جب لڑکی کو جنم دیتی تو سمجھتی بیٹی نہیں سانپ ہے، عورت کو فقط نفسانی خواہشات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، ازواج کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی، ولی جس کے پلے باندھ دیتا عورت کی اجازت ضروری نہ تھی، بحیثیت ماں اس کی کوئی قدر نہ تھی، خاوند کے موت ہونے پر بیٹوں میں وراثت کی طرح تقسیم کر دی جاتی تھی، مرد اگر ناراض ہوتا تو طلاق دیدیتا پھر رجوع کرتا، تعداد طلاق کا کوئی تعین نہ تھا، عورت کو نہ خود اچھی طرح رکھتے اور نہ ہی کسی دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوتی، عورت ایسا بدقسمت جانور تھا کہ اس پر رحم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، عورت کے ساتھ جو فطری عوارض ہیں یعنی حیض ونفاس ان عوارض کے دنوں میں اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا جو برص وجزام کے مریض کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا؛ لیکن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے آپ نے دنیا کی کایا پلٹ دی، دنیا کو انسانیت کا سبق سکھایا، مقام آدمیت سے روشناس کرایا، لکڑی، پتھر، ناگ دیوتا، جل دیوتا، دریا، شمس وقمر کی پوجا سے منع فرمایا اور انسان کو سمجھایا کہ تو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اس کائنات کو تیرے لیے خالق حقیقی نے پیدا فرمایا ہے اور تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ’’قال تعالی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ‘‘ (سورۃ ذاریات پارہ ۲۷/رکوع ۲) اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں (ترجمہ حضرت تھانوی) حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مجھ کو مطلوب شرعی ان سے عبادت ہے۔

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مفہوم سمجھایا کہ زندگی فقط رب چاہی ہو، من چاہی نہ ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے طریقے اپنی زندگی کے بہترین اسوہ حسنہ کو عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا، آقا و غلام کا فرق ختم کیا، فرمایا جو خود کھاؤ غلام کو کھلاؤ جو خود پہنو غلام کو پہناؤ اور دنیا کو یہ سبق دیا کہ دنیا میں ہر انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔

عورت کے حقوق :

اسلام میں عورت کی چار حیثیتیں ہیں:

(۱) ماں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) بیوی

ماں کو اسلام نے اتنی بلندی عطا کی، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور حکم دیا کہ ماں کے ساتھ ادب سے پیش آئیں اور ان کے سامنے اف تک نہ کریں، جب ضعیف ہو جائیں تو ان کی خدمت نہایت ہی ادب سے کریں، ماں کو باقاعدہ جائیداد وغیرہ کا وارث قرار دیا، بیٹی کو جائیداد وغیرہ میں وارث قرار دیا

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پرورش کی دو یا تین بیٹیوں کی یا دو تین بہنوں کی تا آنکہ وہ اس سے جدا ہو جائیں (ان کی شادی ہو جائے یا فوت ہو جائیں) تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے (جس طرح یہ دو انگلیاں) اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

بہن کے لیے بھی اسی طرح شفقت ومحبت سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی، بیوی کو دورِ جہالت کی طرح بے زبان نہیں رکھا گیا، جب تک عورت بخوشی قبول نہ کرے نکاح نہیں ہوسکتا، عورت کی رضامندی کو نکاح کی شرط قرار دیا گیا، بیوی کا نان ونفقہ، رہائش وآرام سب کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین مرد وہ ہے جو اپنے اہل بیت کے لیے خوش اخلاق ہو، فرمایا کہ بیویوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھانا، اچھا لباس، اچھی رہائش مہیا کرنا، مرد پر فرض ہے، اگر مرد بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو صریحاً کوتاہی کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا، تو عورت ایسے مرد سے خلع کا حق استعمال کر کے جدا ہوسکتی ہے، دورِ جہالت کی لاتعداد طلاقوں پر خطِ تنسیخ کھینچتے ہوئے تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی گئی، یہ ڈر کہ تین طلاقوں کے بعد بیوی سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونا ہوگا، طلاق سے گریز کرے گا، تعدادِ ازواج پر پابندی لگادی گئی، فقط چار شادیوں کی اجازت دی گئی وہ بھی مشروط کہ اگر سب سے انصاف کا برتاؤ کرسکو، ایک صحابی سیدنا عمر فاروقؓ کے پاس شکایت لے کر آئے کہ میری بیوی گستاخ ہے اور مجھ سے تلخ کلامی کرتی ہے، حضرت عمرؓ کے دروازے پر پہنچا تو سیدنا عمرؓ کی اہلیہ کی آواز آرہی تھی، وہ حضرت سے بلند آواز سے بول رہی تھیں، صحابی نے دروازہ پر دستک دی، حضرت عمر باہر آئے، تو صحابی نے عرض کیا کہ میں تو اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا تھا، جب دردولت پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کی بیوی بھی بلند آواز سے باتیں کر رہی ہے، سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ میرے بچوں کی پرورش کرتی ہے، میری خدمت کرتی ہے، اس لیے ہم پر بھی فرض ہے کہ ان کی کچھ باتیں برداشت کریں، غرضیکہ اسلام نے ماں، بیٹی، بہن بیوی چاروں حیثیتوں سے عورت کو باعزت مقام عطا فرمایا؛ لیکن اسلام سے قبل عورت جس طرح بے گانہ زندگی گذارتی تھی جس سے معاشرہ میں زنا کو فروغ تھا اور یہ فعل پورے معاشرے کے لیے بگاڑ کا باعث ہے، اس لیے عورت کو جہاں مردوں کے برابر حقوق دیئے وہاں کچھ معاشرتی پابندی بھی لگائی ہیں۔

خواتین کے لیے فرمان الٰہی:

”وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ“الی آخر الآیۃ (سورۃ نور پارہ ۱۸/رکوع ۱۰)

اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالبًا) کھلا رہتا ہے (جسکے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر) یعنی اپنے باپ پر، یا اپنے شوہر کے باپ پر، یا اپنے بیٹوں پر، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر، یا اپنے حقیقی، علاتی، اخیافی بھائیوں پر، یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر، یا اپنے حقیقی، علاتی، اخیافی بہنوں کے بیٹوں پر، یا اپنی عورتوں پر، یا اپنی لونڈیوں پر، یا ان مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو، یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

عورت کا اصل مقام اس کا اپنا گھر ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى“الی آخر الآیۃ (سورہ احزاب پ ۲۲/رکوع ۱)

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوۃ

اوراطاعت میں رہواللہ اوراس کے رسول کی ۔(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اوراپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں،اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روشنی کو مقدس اسلام کب برداشت کرسکتا ہے، گھروں میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کسی ضرورت اورناگزیرکام کے لیے بھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، ہروقت گھر سے چمٹی رہے، بلکہ یہ ایک لطیف اشارہ اس مطلب کا ہے کہ عورت کی زندگی میں ان کا اصل مقام ان کا گھر ہے اوریہی ان کا ٹھکانا ہے،اس کے علاوہ جہاں بھی جائیگی وہ عارضی مقام ہوگا، کام کے بعد فوراً اپنے اصل ٹھکانے کی طرف واپس آئے گی،عورت کا اصل ٹھکانا اس کا گھر ہے، وہیں اس کی عزت وآبرو ہے، وہیں اس کی شرافت وعزت ہے، وہیں اس کا وقار ہے،اسلام نے گھر کواس کی صحیح فضااور وہاں پر پرورش پانے والے بچوں کے لیے صحیح ماحول مہیا کرنے کے لیے مرد پر نفقہ فرض کیا اوراس کا لازمی وظیفہ قراردیا، تاکہ ماں کے لیے اتنا وقت مہیا ہوسکے کہ وہ چھوٹے بچوں پر پوری توجہ صرف کرسکے، ان کی صحیح نگرانی کرسکے، گھر کا انتظام کرسکے اوراس میں آئندہ نسل کی خاطر اپنی خوشبو اور بشاشت بکھیر سکے؛ کیونکہ ماں کو اگر گھروں کے لیے روزی کمانے پرلگایا جائے گا تو مزدوری کے تقاضوں سے وہ تھک جائیگی، اپنے اوقات کی پابندی میں مقید ہوجائے گی اوراپنی ساری طاقت انہی کاموں میں صرف کردے گی،اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گھر کواس کی اصل فضااوراس کی مطلوب خوشبو سے محروم رکھے گی، گھر میں پلنے والی نسل کو اس کا حق نگرانی اوراچھی تربیت نہ دے سکے گی، گھر کی شفقت ایک ماں کی محتاج ہے، وہ عورت بیوی، ماں، جواپنا وقت، طاقت، جدوجہد، مزدوری اور کمائی میں لگاتی ہے، وہ گھر میں تھکن، مایوسی اور ملال کے سوا کچھ نہیں پھیلاسکتی، یہ صورت تو عورت کی مزدوری اور ملازمت کی بیان ہوئی، رہا عورت کا ملازمت اور کام وغیرہ کے بغیر گھر سے نکلنا، مخلوط مجمعوں میں جانا، کھیل تماشے، سنیما گھروں، محفلوں، میٹنگوں اور ملاقات گاہوں میں جانا تو یہ درحقیقت ایک پستی اور ذلت ہے جوانسان کوحیوانات کی چراگاہوں میں لے جاتی ہے۔

گھر سے باھر کا پردہ :

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ " الی آخرالآیۃ (سورہ احزاب پ ۲۲/ رکوع ۵) اے نبی کہہ دواپنی عورتوں کو، اپنی بیٹیوں کواور مسلمان کی عورتوں کو نیچے لٹکالیں اپنے اوپرتھوڑی سی اپنی چادریں، اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے، اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوحکم دیا ہے کہ آپ اپنی ازواج کو، اپنی صاحبزادیوں کواور عام مومنین کی عورتوں کو بالعموم یہ حکم دیں کہ اگرانہیں کسی ضرورت کے لیے گھروں سے نکلنا پڑے تو اپنے اجسام کو، اپنے سروں کواوراپنے سینوں کوایک بڑی چادر کے ساتھ لپیٹ لیں، یہ لباس ان کی پہچان میں مدددے گا اور فاسقوں کی چھیڑ چھاڑ اورآوازیں وغیرہ کسنے سے انہیں محفوظ رکھے گا، ان کی پہچان اوران کی شرم وحیا کا رعب ان لوگوں کے لیے شرم اور رکاوٹ کا باعث بنے گا۔

مندرجہ بالا آیات پرغورفرمائیں کہ اسلام کس طرح کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے، جس معاشرے میں زنا عام ہوجائے وہ جلد ہی تباہ ہو جاتا ہے اورخاندانی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے، آج مغرب اور پوری اقوام اسی حال سے دوچار ہیں اورکھلا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت کو آزادی دینے کے لیے کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں، اسلام میں مخلوط معاشرے کی کہیں گنجائش نہیں ہے، اب ایک ایک آیت پرغورفرمائیں اللہ تعالی حکم فرمارہے ہیں کہ مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ بات قابل غور ہے کہ نگاہیں جب چار ہوتی ہیں تواس کا سیدھا اثر قلب پر پڑتا ہے اورگناہ کی طرف رغبت ہوتی ہے، یہی نگاہیں شیطان کا زہر بلا تیز ہے، جو

مردوعورت کے دلوں پراثر انداز ہوتا ہے اللہ تعالی نے مردوعورت دونوں پر نگاہیں نیچی کرنے کی پابندی عائد کی ہے اور پھر عورت کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رکھا کریں، اللہ تعالی واضح حکم فرمارہے ہیں کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ باہر نکلا کرو تو اپنے چہرے پر چادر لٹکا کر گھونگھٹ نکال لیا کریں، یعنی اگر بامر مجبوری گھر سے نکلنے کی ضرورت پڑے تو باپردہ ہو کر نکلا کرو، شریف اور باحیا عورت کی یہی پہچان ہے اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور دور جہالت کی طرح اظہار تجمل نہ دکھاتی پھرو، نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوۃ دیتی رہو اور خدا اور اس کے رسول کی تابعداری کرتی رہو۔

اسلام میں مخلوط معاشرے کی ہر گز گنجائش نہیں :

مندرجہ بالا احکام کے بعد پوری اسلامی زندگی میں کہیں بھی عورت کو بے لگام آزادی نہیں دی گئی، نص قطعی کے بعد اس کا انکار صریحاً کفر ہے، ایک شخص نماز نہیں پڑھتا؛ لیکن نماز کی فرضیت کا قائل ہے تو وہ فاسق تو ہے کافر نہیں؛ لیکن اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہے تو قطعاً کافر ہے، حج فرض ایک اہم عبادت ہے اس کی ادائیگی کے لیے بھی عورت کسی نامحرم کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی چہ جائیکہ وہ سیر وسیاحت یا دنیاوی اغراض کے لیے تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کیا فرمایا وہ واقعہ قابل غور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دربار نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں کہ پردہ میں ہو جاؤ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں، تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ نابینا ہیں تو تم تو نابینا نہیں ہو، یہ امت مسلمہ کے لیے سبق تھا کہ نابینا سے پردہ کیا جائے، قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر محرم سے پردہ کے احکام تو ملتے ہیں، لیکن اس کے برعکس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

غلط استدلال :

اس دور کے مغرب زدہ احساس کمتری میں مبتلا مردوں اور عورتوں کا اجتہاد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، اس لیے موجودہ دور میں ان کو مطلقاً ہر کام کی اجازت ہے، حالانکہ احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں مردوں سے مختلف ہیں، مثلاً وہ جہاد میں شرکت کے لیے نہیں بلکہ پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے شرکت کرتی تھیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرہم پٹی بھی ان کے محارم اور خاوندوں کی ہوتی تھی، امام ابن الھمام فرماتے ہیں کہ جہاد میں دوادارو اور پانی پلانے کے لیے بوڑھی عورتوں کو لیجاتے تھے، عورتیں بلاضرورت شدیدہ لڑائی میں شرکت نہیں کرتی تھیں اور نہ بلاضرورت اجنبیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں بلکہ اول تو ہر عورت اپنے رشتہ دار یا خاوند کی مرہم پٹی کرتی تھی اور اگر کسی اجنبی کی مرہم پٹی کرتی بھی تھیں تو احتیاط کا ہر پہلو ملحوظ رکھا جاتا تھا، اگر اجازت عام ہوتی تو امام ابن الھمامؒ بوڑھیوں کی قید نہ لگاتے اور امام نوویؒ جو حدیث کے مشہور امام ہیں، محارم اور خاوند کی قید نہ لگاتے، اسماء بنت یزید انصاریہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن تھیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں کہنے آئی ہوں، عرض یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی پیروی کریں؛ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں، مرد جمعہ، جماعت، نماز جنازہ اور جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے جاویں، وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتے ہیں، تو کیا

اجر میں بھی ہم کو ان کے ساتھ حصہ ملے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سن کر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اس سے زیادہ بھی کسی عورت کی تقریر سنی ہے، جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہے، تمام صحابہ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسماء کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا، مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے، جو تم نے بیان کئے ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوشی خوشی اللہ تعالی کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی آئیں۔

اسلام میں فریضہ جہاد اصلاً واولاً مردوں کے لیے مخصوص ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو براہ راست جہاد میں حصہ لینے کا حکم نہیں دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتے ہیں، تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل جہاد حج مقبول ہے۔ (بخاری شریف)

بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں ''جہادکن الحج'' تمہارا جہاد حج ہے۔

ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اجازت نہ دی، وہ قرآن کی عالمہ تھیں، انہوں نے اس بات کی اجازت مانگی کہ ان کو نماز و تعلیم قرآنی کے لیے اپنے گھروں میں عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت دیدی جائے، آپ نے ان کو اجازت دیدی۔

ایک شخص نے حضرت رابعہ بصریؒ سے بطور طنز کہا کہ عورت نبی نہیں ہوتی، انہوں نے برجستہ فرمایا صحیح ہے ہم نبی بنا نہیں کرتی؛ بلکہ نبی جنا کرتی ہیں، مردم گری اور انسانیت سازی عورت کا ایک عظیم الشان منصب ہے، جس نے جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے رکھدی۔

ایک سبق آموز واقعہ:

والی افغانستان امان اللہ خان کے پردادا دوست محمد خان ۲۵ رسال کی عمر میں غزنی سے دور کفار سے جنگ لڑ رہے تھے، کئی دن گذر گئے جنگ کی کوئی خبر نہیں آ رہی تھی، والدین پریشان تھے، ان دنوں میں تار، ٹیلیفون، وائرلیس وغیرہ کا انتظام نہ تھا، ایک شام دوست محمد خان کے والد گھر آئے اور کہا کہ میں نے اڑی ہوئی خبر سنی ہے کہ دوست محمد نے میدان جہاد سے فرار کیا اور دشمن نے تعاقب کر کے اس کو قتل کر دیا ہے، دوست محمد کی والدہ نے کہا نہیں یہ خبر غلط ہے، کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے میں اس خبر کو تسلیم نہیں کرتی، رات تشویش میں گزر گئی دوست محمد خان کے والد صبح ہونے کے بعد باہر چلے گئے دوپہر کو گھر آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ اب میں نے یہ خبر سنی ہے کہ ہمارا بیٹا کامیاب ہوا اور میدان جہاد میں فتح حاصل کی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آ رہا ہے، بیوی نے کہا یہ خبر درست ہے، دوست محمد کے والد نے کہا کہ کل کی بھی اڑتی خبر تھی اور آج کی بھی، تم نے کیسے کل کی خبر کو غلط کہا اور آج کی خبر کو درست سمجھا، تو انہوں نے کہا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی غیر محرم کی نگاہ میرے چہرے پر نہیں پڑی اور جب میں تمہاری بیوی بن کر آئی اور دوست محمد میرے پیٹ میں آیا، میں ہر وقت باوضو رہتی تھی اور جب دوست محمد پیدا ہوا تو میں نے اس کو کبھی بھی بے وضو دودھ نہیں پلایا، جس بچے کی پرورش میں نے اس طرح کی ہو وہ میدان جہاد میں شہید تو ہوسکتا ہے مگر مفرور نہیں ہوسکتا، اس لیے میں نے کہا تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

حاصل کلام اللہ تعالی نے مرد و عورت کو بحیثیت انسان تو ایک جیسے حقوق دیئے ہیں لیکن ان کا دائرہ کار جدا جدا رکھا ہے، عورت کے ذمہ انسانیت گری ہے، اس کی گود میں نبی، صحابہ، امام، ولی، محدث، مفسر، بزرگان دین اور دنیا کی نامور ہستیاں پرورش پا کر رہبر انسانیت بنیں، اگر عورت اپنے اس منصب کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ دفتروں میں،

کلبوں میں اور کارخانوں میں کام کرتی پھرے گی تو پھر انسانیت گری کا کام کون کرے گا، یہی وجہ ہے کہ جب سے مغرب کی تقلید میں عورتیں اپنے منصب سے ہٹ گئی ہیں، تبھی سے دنیا سے انسانیت مفقود ہوتی جارہی ہے۔

اسلام کیا ھے :

ہم تو آج تک یہی سمجھتے رہے کہ اسلام کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، قرآن مجید متن ہے اور احادیث شریف تشریح ہے، اس سے ہٹ کر اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، قرآن کریم کہتا ہے اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی آرائش نہ ہونے دو؛ لیکن اب جو نیا اسلام ڈھالا جارہا ہے (جیسا کہ موجودہ مغرب زدہ خواتین کہتی ہیں کہ یہ آزادی ہم کو اسلام نے دی ہے) کہ عورت کا کلبوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں چراغ محفل بننا اسلام ہے، اسلام نے محرم اور غیر محرم کی تقسیم کی کہ عورت اپنا چہرہ محرم کے سامنے کھول سکتی ہے۔

قرآن مجید نے تو یہ حکم دیا ہے "وقرن فی بیوتکن" اپنے گھروں میں قرار پکڑو؛ لیکن آج کیا نقشہ پیش کیا جارہا ہے کہ عورت بن ٹھن کر تنہا دنیا کا سفر کرتی پھرتی ہے اور یہ بھی کہتی پھرتی ہے کہ مجھ کو اسلام نے یہ حق دیا ہے۔

قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ عورت کو بامر مجبوری اگر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو اپنے چہروں پر چادر لٹکا لیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، شریعت مقدسہ نے بامر مجبوری کامل ستر پوشی وحیاداری کی شرط کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت دی تھی، اب اس کو جاذب نظر، نیم عریاں، لباس اور بیباک نگاہوں کے ساتھ دفتروں، ہوٹلوں، پارکوں، سنیماؤں اور سڑکوں پر گشت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، عورت کی آواز پر بھی پردہ ہے، جب اس کو بلند آواز میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت نہیں تو پھر اس کو غیر محرموں کی محفلوں میں بن سنور کر جانے کی کس اسلام نے اجازت دی ہے، جب کہ عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ صحن کے بجائے کمرے میں یا بالکل پردے میں نماز پڑھے گی تو زیادہ اجر ملے گا۔

لباس :

"یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشاً" الی آخر الآیۃ (سورہ اعراف پارہ ۸/ رکوع ۱۰)

اے اولاد آدم کہ ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے اور لباس پرہیز گاری کا وہ سب سے بہتر ہے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

فائدہ: مراد یہ ہے کہ ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس سکھادی، اب وہ لباس پہنو، جس میں پرہیز گاری ہو، یعنی مرد ریشمی لباس نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور عورت باریک کپڑے نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جہنم میں سے دو قسم کے لوگ ہیں جن کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا (۱) وہ لوگ جس کے ہاتھوں میں بیل کی پونچھ کی طرح ڈنڈے ہوں گے، جن سے لوگوں کو ماریں گے (مراد ظالم سپاہی ہیں) (۲) وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود بھی ننگی ہوں گی اور مٹک مٹک کر چل کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر عمدہ قسم کے اونٹوں کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے، وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہونگی اور نہ ہی ان کو جنت کی خوشبو ملے گی، جب کہ جنت کی خوشبو اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے۔ (مسلم شریف کتاب اللباس)

فائدہ: لباس پہن کر ننگی ہونے کا مطلب (۱) لباس ناقص ہو یا بازو پنڈلیاں کھلی ہوں (۲) کپڑا اتنا باریک ہو کہ اندر سے بدن نظر آجائے (۳) لباس اتنا تنگ ہو جس سے بدن کے حدود اربعہ ظاہر ہوتے ہوں، ان تینوں قسم کے لباس پہننے کے باوجود شریعت نے ان کو ننگا قرار دیا ہے۔

عورت کو کیا مانگنا چاھئیے :

اسلام نے عورتوں کو وراثت کا حق دیا ہے اس لیے عورتوں کو پوری قوت وشدت سے ماں، بیٹی، بہن، بیوی کی حیثیت سے وراثت کا

حصہ مانگنا چاہئے، اگر عورت کو جائز وراثت مل جائے تو عورت کا اقتصادی مسئلہ احسن طریقہ سے حل ہوجائے گا اوراس کو کارخانوں، دفتروں میں چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں رہے گی، بیوی کی حیثیت سے اس کا نفقہ خاوند پر ہے۔

آخری بات:

عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ بحیثیت بیوی، بیٹی، بہن، ماں چراغ خانہ اور گھر کی ملکہ بن کر وقار وشرف سے بلند مقام حاصل کرے اور انسانیت کی تعمیر کرکے معاشرے کو اسلامی بنانے میں اپنا اہم کردار ادا کرے؛ کیونکہ دنیا میں جتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں وہ عورت ہی کی تربیت کی مرہون منت ہیں۔

اللہ تعالی سمجھ عطا فرمائے، احکام خدا اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّد وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِيْن.

موت کے وقت کیسا محسوس ہوتا ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتہائی عقلمند، مدبر اور ذکی وفہیم صحابہ میں سے ہیں آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو آپ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ ابا جان! آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاش مجھے ایسا سمجھدار آدمی ملتا جو موت کے وقت کے حالات مجھے بتا دیتا اور آپ کہتے تھے کہ تعجب ہے کہ آدمی ہوش میں رہنے کے باوجود موت کے وقت اپنے اوپر گذرنے والی حالت کا پتا نہیں بتا پاتا، ابا جان! آپ اسی حالت میں پہنچ چکے ہیں، لہٰذا آپ ہی ہمیں بتائیے کہ آپ موت کے حالات کس طرح محسوس فرما رہے ہیں، صاحبزادے کی بات سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ بیٹے حقیقت یہ ہے کہ موت کی حالت کو بیان کرنا الفاظ کی گرفت سے باہر ہے؛ لیکن پھر بھی میں کچھ اشارات سمجھاتا ہوں میں اس وقت ایسا محسوس کر رہا ہوں گویا میری گردن پر رضواں نامی پہاڑ رکھدیا اور مجھے ایسا لگ رہا ہے گویا کہ میرے منھ میں کانٹے کی شاخ ہے، جسے کھینچا جارہا ہے اور مجھے سانس لینے میں ایسی تنگی اور تکلیف ہے گویا میری جان سوئی کے سوراخ میں سے ہوکر نکل رہی ہے۔ (شرح الصدور ۶۳)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موت کا منظر دنیا اور آخرت میں انتہائی ہولناک منظر ہے، اور موت کی تکلیف آروں سے چیرے جانے، قینچیوں سے کانٹے جانے اور ڈیگچیوں میں پکائے جانے سے بھی زیادہ سخت اور اذیت ناک ہے اور اگر کوئی مردہ قبر سے نکل کر دنیا کے زندہ لوگوں کو صرف موت کی شدت سے باخبر کردے تو لوگ عیش وآرام کو بھول جائیں اور ان کی راتوں کی نیدیں اڑ جائینگی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت کعب بن احبار سے پوچھا کہ ذرا موت کے بارے میں بتلائیے، انہوں نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین اسے یوں سمجھئے کہ کوئی انتہائی کانٹے دار ٹہنی آدمی کے پیٹ میں ڈال دی جائے اور اس کے کانٹے ہر ہر رگ اور جوڑ میں پھنس جائیں اور پھر کوئی نہایت طاقت ور آدمی اس ٹہنی کو پکڑ کر سختی سے کھینچ لے تو اس عمل سے جتنی تکلیف ہوگی، اس سے کہیں زیادہ تکلیف موت کے وقت ہوتی ہے۔

حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کا فرشتہ جب روح نکالتا ہے تو اس کی تکلیف تلوار کے ایک ہزار وار سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور موت کے وقت مومن کی رگ رگ میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اس وقت شیطان بھی اس کے نہایت قریب ہوتا ہے، تا کہ اسے آخری وقت میں بہکا سکے۔ (شرح الصدور صفحہ ۶۵)

قاری محمد نوشاد قاسمی
امام جامع مسجد مظفری، سہارنپور

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: افشاء السلام (یعنی سلام کی اہمیت)

نام مؤلف: مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی

صفحات: ۸۰/

قیمت: ۲۵/

ناشر: مکتبہ السلام جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس شخص نے دین کے متعلق چالیس احادیث یاد کیں، تو اس کو قیامت کے دن فقہاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور میں خود اس کی شفاعت کروں گا اور گواہ رہوں گا''۔

اس حدیث کے پیش نظر ہر زمانہ میں علماء امت نے چہل حدیث کی ترتیب وتالیف اور نشر واشاعت کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ بہت سے علماء نے امت کی آسانی اور فائدے کے لیے صرف چھوٹی چھوٹی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں اور بعض نے دین کے مختلف شعبوں پر اور بعض نے کسی ایک موضوع کو متعین کر کے احادیث کا مجموعہ تیار کیا ہے، زیر تبصرہ کتاب میں سلام سے متعلق مؤلف محترم جناب مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی استاذ ادب وایڈیٹر مجلّہ ''النور'' جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا نے مختلف راویوں سے چالیس حدیثیں متن، ترجمہ، حل لغات، تشریح اور فوائد کے ساتھ یکجا جمع کر کے شائع کی ہیں، جن سے اخوت وہمدردی، محبت وغمگساری، امن وسلامتی کا پیغام ملتا ہے، کئی اہم علماء کے حوصلہ افزاء کلمات، تصدیقات وتقریظات کتاب پر ثبت ہیں، جن سے خود کتاب اور صاحب کتاب کی اہمیت وافادیت دوبالا ہو جاتی ہے، اس لیے امید کی جاتی ہے کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے، اور مشکوۃ نبوت کے نور سے مستنیر ہو کر اسلام اور سلامتی کا پرچم لہرائیں گے، اللہ تعالیٰ کتاب، صاحب کتاب اور ناشر وقاری کو ہر سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے۔

///// ❁ ❁ ❁ /////

نام کتاب: اسلام میں پردہ کی اہمیت

نام مؤلفہ: محترمہ فاضلہ سارہ عزیزی

صفحات: ۸۸/

قیمت: ۷/

ناشر: دار البحوث والنشر مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

اسلام میں پردہ کی اہمیت سے متعلق یہ کتاب اپنے موضوع پر مختصر ہونے کے باوجود بہت اہم ہے، اس کتاب میں پہلے اسلام کی خصوصیات، اس کے بعد بعض دوسرے مذاہب میں پردہ کی اہمیت، پھر فواحش کو ختم کرنے کا اسلامی نظام، نزول حجاب کی تاریخ، قرآن کریم میں پردہ کی اہمیت اور پردہ احادیث کی روشنی میں اور اخیر میں پردہ سے متعلق بعض فقہاء کا فتوی اور پھر عورتوں کے پردہ سے متعلق چند اصلاحی باتیں ہیں، ان مندرجات سے کتاب کی اہمیت اور موضوع کی ہمہ گیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، قرآن کریم میں مستقل ۷/آیتیں پردہ سے متعلق ہیں جن پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اور پھر ستر سے زیادہ احادیث پردہ سے متعلق ہیں جن میں سے چند احادیث ترجمہ کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، غرضیکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ ہر مسلمان گھرانے کے اندر اس کا ہونا ضروری ہے، خاص طور سے ان عورتوں، بچیوں اور لڑکیوں کے لیے انتہائی ضروری ہے جو مدارس نسواں، اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، یا جو بزنس سنٹروں، بازاروں، دکانوں اور دفتری ماحول میں ڈیوٹی پر رہتی ہیں، ان کو اس کے مطالعہ سے خاطر خواہ فائدہ ہوگا اور معلوم ہوگا کہ یہ صنف نازک گھر کی چہاردیواری ہی میں ٹھیک ہے، اور اسلام کا مطالبہ بھی ان سے یہی ہے کہ وہ گھروں میں رہیں، اگر ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو پردہ کے ساتھ نکلے، اس اعتبار سے کتاب بہت اہم ہے اس سے استفادہ کرنا چاہئے اور قیمت چونکہ بہت کم ہے اس لیے ہر آدمی خرید سکتا ہے۔

///// ❁ ❁ ❁ /////

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

بحضور انور جناب مدیر صاحب ماہنامہ نقوش اسلام زیدت معالیکم

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیروعافیت سے ہوں گے، عرض یہ ہے کہ آنجناب کا رسالہ ''نقوش اسلام'' کا پتہ کسی ساتھی سے ملا، اوراس پتے پر خط لکھ رہا ہوں، نیز کسی جگہ کسی مبصر کا تبصرہ بھی ''نقوش اسلام'' کے بارے میں پڑھا تھا، اللہ تعالی آپ لوگوں کی اس کوشش کو قبول فرماویں۔

ضروری بات یہ ہے کہ آپ صاحب ہمارے مدرسہ کی لائبریری کے لیے ''نقوش اسلام'' اعزازی طور پر جاری فرمادیں، تاکہ ہمارے مدرسہ کے طلباء واساتذہ نقوش اسلام سے مستفید ہوسکیں، اللہ اجر عظیم سے نوازیں۔ آمین

اگر اعزازی طور پر جاری کرنے میں دشواری ہوتو ازراہ کرم نقوش اسلام کے دوتین شمارے بطور نمونے کے بھیج دیجئے، امید کی جاتی ہے کہ آپ صاحبان ہمیں مایوس نہیں فرمائیں گے۔ اخوکم فی اللہ

حافظ حسین احمد مدنی

مدیر مدرسہ عربیہ احسن المدارس، ڈیرہ اسماعیل

صوبہ سرحد، پاکستان

باسمہ سبحانہ

مکرم المقام قابل احترام

جناب حضرت مولانا مسعود عزیزی ندوی دامت برکاتہم

چیف ایڈیٹر ماہنامہ نقوش اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا تعالی آپ کو مع جملہ ارکان نقوش اسلام بخیر رکھے، نقوش اسلام ماشاء اللہ ہر مہینہ وقت پر موصول ہوجاتا ہے، بڑی شدت سے اس کا منتظر رہتا ہوں، میں اس مقبول رسالہ ''نقوش اسلام'' کی سالگرہ پر خصوصاً آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، بہت سوچتا ہوں کہ آپ کو مستقل تحریر ارسال کرتا رہوں؛ مگر وقت کی کمی، سفر کی کثرت، کچھ بیماری جن کی وجہ سے میں مجبور ہوں، مگر جب بھی نقوش اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو ساری تھکن اور تمام پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں، رسالہ نے کم مدت میں کافی مقبولیت حاصل کی ہے، اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اس کو اور مقبولیت سے نوازے۔ آمین

آپ کا اپنا

محمد فرقان اسعدی

خادم جمعیۃ العلماء اتر پردیش

محترمی جناب چیف ایڈیٹر صاحب

سلام مسنون!

مارچ ۲۰۰۷ء کا شمارہ ملا، شمارہ دیکھ کر آپ سے بھٹکل کی ملاقات کی یاد تازہ ہوگئی، معافی چاہتا ہوں کہ رسالہ ملتے ہی آپ کو شکریہ کا ایک خط بھی نہ لکھ سکا، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ایک مضمون بعنوان ''مسلم سائنسداں ادریسی'' روانہ کررہا ہوں، پسند آئے تو قریبی اشاعت میں جگہ دینے کی زحمت فرمائیں، انشاء اللہ آئندہ بھی مضامین بھیجتا رہونگا۔

محمد سراج الدین بنگلور

مکرمی جناب حضرت مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی دامت برکاتہم

چیف ایڈیٹر ماہنامہ نقوش اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی مع تمام کارکنان نقوش اسلام خیریت سے ہوں دیگر عرض اینکہ ہر ماہ نقوش اسلام معمول کے ساتھ وصول ہورہا ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ نقوش اسلام نے نظر ہی نظر میں سالانہ منزل طے کرلی ہے اور ماشاء اللہ بہت مقبولیت سے نوازا گیا اس کی سالگرہ کے حسین موقع پر خصوصاً آپ کو اور تمام عاملہ نقوش اسلام کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ماشاء اللہ مضامین پڑھ کر بہت خوشی اور مسرت ہوتی ہے، بہت سے رسالے پڑھنے کا موقع ملتا ہے، مگر جو حلاوت اور مزہ نقوش اسلام کے مطالعہ میں آتا ہے وہ اور میں کہاں، مضامین نہایت دلکش اور اچھوتے نظر آتے ہیں یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ رسالہ ایک علمی، فکری، اصلاحی اور تحقیقی رسالہ ہے، صحافت کی دنیا میں اس نے اپنا ایک الگ مقام اور ماشاء اللہ مستقل جگہ بنالی ہے، اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اس رسالے کو مقبولیت سے نوازے اور امت مسلمہ کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے۔

احسان الحق قاسمی

منیجر جامعہ عائشۃ الصدیقہ للبنات

جونیئر ہائی اسکول نگلہ راعی مظفرنگر یوپی

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

۲۰۱۰ لوگوں کا قبول اسلام

بورکینا فاسو- بورکینا فاسو کے مختلف علاقوں میں افریقی مسلمانوں کی تنظیم کے مسلم داعیوں کے دعوتی دوروں کے درمیان وہاں کے ۲۰۱۰ رلوگوں نے اپنے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔

باکو علاقہ کے یویغو نامی گاؤں میں مردوعوت سمیت ۹۰۷ رلوگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا جن میں اس گاؤں کی سربرآوردہ شخصیتیں بھی شامل ہیں اور اسلامی خبر رساں ایجنسی کے مطابق اس گاؤں کی کل آبادی ۳۷۰۰ ر ہے جب کہ ۲۰% مسلمان اور ۶۰% بت پرست اور ۲۰% رعیسائی ہیں، اسی طرح بیسغا نامی گاؤں کے ۱۰۷ مختلف عمر کے لوگوں نے اسلام کے قبول کرنے کا اعلان کیا، جن میں اس گاؤں کے ۳ رلیڈران بھی شامل ہیں۔

سیلی علاقہ کے ایک گاؤں کے ۳۴۱ رلوگوں نے اپنے سربراہ کے ساتھ اسلام قبول کیا اور ''لی'' کی آبادی ۴۵۰۰ ر ہے اسی طرح بینغو نامی گاؤں کے ۱۵۲ رلوگوں نے اپنے لیڈر کے ساتھ اسلام قبول کیا جس کی آبادی ۹۲۵۰ ر ہے قابل غور بات یہ ہے کہ ان بستیوں میں مسجدوں کی تعمیر اور کنوؤں وغیرہ کی سخت ضرورت ہے۔

قرآن کریم کا بریل ایڈیشن

سابق سوویت یونین کی ایک آزاد مسلم جمہوریہ ازبکستان کے تاریخی شہر تاشقند میں واقع کوکل دوش مدرسہ (یہ مدرسہ کافی پرانا ہے جس کی عمر ساڑھے چار سو برس سے بھی تجاوز کر چکی ہے اور وہاں آج بھی قرآن وحدیث اور عربی زبان وادب کی تعلیم دی جارہی ہے، یہ مدرسہ درویش خان نے ۱۵۶۹ء میں قائم کیا تھا) نے نابینا افراد کے لیے بریل زبان میں آٹھ جلدوں میں قرآن کریم کا ایک نہایت عمدہ اور نفیس نسخہ تیار کرکے ایک لائق تحسین کارنامہ انجام دیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ یہ نسخہ امریکی ریاست مشی گن کے شہر ڈیربورن میں واقع اسلامی سنٹر کو پیش کیا گیا ہے، اسلامی سنٹر کی جانب سے سید حسن قزوینی نے یہ بے مثال اور بیش قیمت تحفہ قبول کرتے ہوئے اظہار تشکر کے طور پر کہا کہ ''سنٹر اس سے بہتر تحفے کی توقع نہیں کرسکتا'' انہوں نے اس کے لیے اہل تاشقند کو بالخصوص اور اہل ازبکستان کو بالعموم قابل صد مبارک باد قرار دی، واضح رہے کہ امام قزوینی ڈیربورن کی مسجد کے امام ہیں۔

مشرق وسطی میں پانی کی دستیابی خطرے میں

لندن- برطانوی خارجہ سکریٹری مارگریٹ بیکٹ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آب وہوا میں تبدیلی عالمی معیشت کو تباہ کردے گی، مشرق وسطی میں پانی کی دستیابی بھی خطرے میں پڑ جائے گی، بین الاقوامی برادری کو اب پوری طرح اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

مرکز میں تعلیمی سرگرمیاں شباب پر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے دونوں اداروں ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' اور ''جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات'' میں تعلیمی سرگرمیاں اس قدر تیز ہوگئیں ہیں، جس کا احساس یہاں کے ذمہ داران حضرات کو بھی ہے، واضح رہے کہ جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ میں حفظ وناظرہ کے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نصاب کے مطابق باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں عربی چہارم تک کی تعلیم دی جارہی ہے، جب کہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں باصلاحیت معلمات کی نگرانی میں ہمہ وقت طالبات مستفید ہورہی ہیں۔

دس روزہ اسلامی کیمپ کا انعقاد

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی مرکز الدعوۃ والتعلیم چھٹملپور ایک دس روزہ اسلامی کیمپ کا انعقاد کرنے جارہا ہے، جس میں مختلف اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ وطالبات کو مدعو کیا گیا ہے، تاکہ انہیں اسلامیات سے جوڑا جائے اور ان کے اندر اسلامی بیداری پیدا کی جائے۔

کیمپ کے اختتام پر اسلامیات کے سلسلہ میں ایک ٹیسٹ ہوگا جس میں اچھے نمبرات حاصل کرنے والے کو انعام اور اعزازی سرٹیفکیٹ سے نوازا جائے گا، جس طرح ابھی چند دنوں پہلے مرکز الدعوۃ والتعلیم چھٹملپور کی جانب سے سیرت پاک کے مقابلہ میں تمام شرکاء کو انعام کے ساتھ سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا تھا۔